یہیں گلشن آرائی ان رنگینی بخش گل و ریحان

دکھ سکھ نامہ

دولت نامہ

لونا ستی نامہ

بینی باغ

خالات بانگ رنگین

قصہ سیاہی زادہ

قصہ محمد شاہ

تحفۂ ابراہیم

از حسن سعی کامل بمطبع منشی نولکشور لکھنؤ رونق یافت

سنہ ۱۹۲۴ء

باہتمام ... پریس ... سپرنٹنڈنٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آلٰہی دے مجھے توفیق تقریر
کرون تازہ سا قصہ ایک تحریر

نیا قصہ ہے اور تازہ کہانی
رہے مجھ سے الٰہی یہ نشانی

پڑھے جو اسکو ہووے خرم و شاد
کرے نیکی سے مجھکو بیشتر یاد

کہانی کو مری شہرت عطا کر
نہ دیکھے عیب سے کوئی بھی اس پر

اگر دیکھے سخنور نقص اور عیب
تو وہ اصلاح دے اسکو بلا ریب

مین یہ کہتا نہین بے عیب ہے یہ
سراسر بھر رہا ہے عیب سے یہ

قدیمی ہے وطن میرا اکرت پور
شراب عشق سے رہتا ہون مخمور

پھراتا ہے مجھے گردون جہان مین
ہر اک شہر و دیار و ہر مکان مین

نظر پڑتا ہے جب گلزار مین گل
وہین ہوتا ہون شیدا مثل بلبل

سدا گردش مین جو رہتا ہے گردون
ہمیشہ مین بھی ہون مانند مجنون

کبھی جاتا ہون دہلی گاہ لاہور
کبھی کاشی اجودھیا گاہ بجنور

خوش آتا ہے مجھے ذکر محبت
نہین رہتا بجز فکر محبت

اگرچہ ہون بہت دیوانۂ عشق
ولیکن یہ نہین افسانۂ عشق

یہ قصہ اور بھی کچھ ہے عجائب — نہایت ہی عجائب اور غرائب
محبت کا بھی گو اس مین ہے مذکور — ولے راہ محبت سے ہے کچھ دور
یہی تنظیم ہے کرنے کے لائق — یقین ہر ایک ہووے اسکا شائق
بھکھاری داس بجنوری سے جن ڈھب — سنا سو ہے بیان کرتا ہون اب
جو چالاکی ہے تجھ مین اے قلم لکھ — جو کچھ تو نے سُنا ہے بیش و کم لکھ
نہ شعرونکا گر مضمون عالی — ولیکن ہو فصاحت سے نہ خالی
عبارت صاف مین لکھ اسکو اسطور — کہ آوے فہم مین ہر اک کے فی الفور
نہین ہے طول سے ہر دم مجھے شوق — عبارت مختصر سے دل کو ہے ذوق

آغاز داستان

کسی بستی مین رہتا اِک جوان تھا — حسین و ہوشیار و کاردان تھا
ہمیشہ اپنے گھر رہتا تھا خوشنود — کہ سب کچھ پاس تھا کھانے کو موجود
کہین جانے کا تھا اُسکو نہ کچھ کام — ہمیشہ اپنے گھر رہتا با آرام
زن و فرزند سے رکھتا تھا اُلفت — نہ لاتا تھا کبھی کچھ دل مین کُلفت
ہوئی جب ایک مدت یون ہی آخر — رہی آسودگی اسپر نہ دہ بھر
جو وہ بیٹھا رہا اس طرح بر گھر — ٹھکانے لگ گیا سب پاس کا زر
بہت جب تنگدستی نے ستایا — تو آخر یہ جوان کے دل مین آیا
کہ چلکر نوکری کیجے کہین اَب — بھلا ہے بیٹھنا گھر مین نہین اَب
ہوا آخر کہین کو وہ روانہ — گیا لے اُس کو گھر سے آب و دانہ
غرض پہونچا کسی دربار مین وہ — ہوا نوکر کسی سرکار مین وہ

ولیکن اس طرح کی تھی وہ سرکار
کہ بالکل تھے ملازم اُس سے بیزار

کسی نوکر کو اُس سرکار سے گاہ
خوشی کے ساتھ ملتی تھی نہ تنخواہ

میان کو نادہندی کا تھا آزار
تھے اس آزار مین دائم گرفتار

نہ تھے کچھ نادہندی مین ہی مشہور
بہت تھے تنگدستی سے بھی مجبور

جوان نے وان غرض ناچار رہائے
بہت سختی سے دن اپنے گذارے

ہوے جب نوکری کرتے کئی ماہ
لگا تب مانگنے وہ اپنی تنخواہ

ہوا یہ حکم مت گھبرا سپاہی
پڑی ہے کیا ترے اوپر تباہی

نہین تحویل مین کچھ آج کل زر
کہان سے خوش کرین ہم تجکو دیکر

شتاب اب ہوے گی تحصیل جاری
دلا دینگے تری تنخواہ ساری

نہ گھبرا اور تقاضا بھی نکر تو
کہ بن مانگے طلب ہم دینگے تجکو

سپاہی نے کہا پھر ٹھوک کر خم
کہ اب کرتے نہین یان نوکری ہم

نہین یہ نوکری مجھکو گوارا
کہ ہرگز یان نہین اپنا گذارا

ملازم جو طلب اپنی نپاوے
کہو کسجا سے وہ کھانے کو لاوے

کسی اب اور ہی بستی مین جا کر
خدا کے فضل سے ہونگا مین نوکر

بس اب بندے کو رخصت کیجیے آپ
مری تنخواہ مجکو دیجیے آپ

تمھاری نوکری اب ہمنے چھوڑی
دلا دو تم ہماری کوڑی کوڑی

اگر مین سب طلب اپنی نپاؤن
تماشا خوب سا تم کو دکھاؤن

سپاہی نے مچائی جبکہ یہ دھوم
ہوا سردار کو اُسدم یہ معلوم

کہ یہ اپنی طلب جبتک نہ لے گا
ہمین تب تک نہ ہرگز چین دے گا

حساب اُس کی طلب کا کر ہی دیجے — کسی ڈھب سے مرخص اُسکو کیجے
ولیکن کیا کرین تدبیر اب ہم — کہ کچھ اپنے نہین ہے پاس اسدم
سپاہی سے کہا پھر اے سپاہی — کہین تجھسا نہ ہوگا کوئی واہی
ابھی سے یان ترا گھبرا گیا جی — گذارا یان نہ تونے اک برس بھی
تو ناحق نوکری اب چھوڑتا ہے — مروت سے تو کیون منھ موڑتا ہے
ہمارا جانتا ہے حال معبود — کہ اک کوڑی نہین ہے پاس موجود
گیا ہے گر ترے دل پر یہی بیل — تو اچھا ہم تجھے دیتے ہین اک بیل
تجھے زر نقد دیوین ہم کہان سے — فقط اک بیل لیجا تو یہان سے
سپاہی نوکری سے تنگ تھا ہی — چلا اک بیل ہی لیکر سپاہی
بہت وہ بیل فربہ اور کلان تھا — قوی تھا بیش قیمت اور جوان تھا
غرض اُس بیل پر چڑھکر وطن کو — چلا وان سے وہ سمجھا اپنے من کو
کہ گو تونے بہت یان دُکھ اُٹھایا — دلے یہ بیل اچھا ہاتھ آیا
اگر بیچین کہین اس بیل کو ہم — روپے اس کے ملین کب ساٹھ سے کم
یہ جاتا تھا وہ کہتا اپنے من مین — ملے دو ٹھگ اُسے اتنے مین بن مین
سپاہی کا ٹھگون نے دیکھکر بیل — کہا اپنے دلون مین بس یہی بیل
کہ گر اپنے لگے یہ بیل پھر ہات — تو کیا ہی خوب ہے واللہ یہ بات
پر اس کے پاس ہین دو چار ہتیار — ہے اس سے ہاتھ آنا بیل دشوار
مگر کچھ اور ہی تدبیر کیجے — کسی ڈھب سے یہ اس کا بیل لیجے
یہ کہکر دو نون بولے اس جوان سے — کہ تم اس بیل کو لائے کہان سے

اگر بیچو تو اس کو مول لین ہم
کہا اب بیچتا ہون لیجئے آپ
جو مین یہ بیل اپنا تم کو دون گا
کہا اس کا نہ ٹھہرے مول اسطور
چلو آگے کوئی مل جاوے گا اب
سپاہی نے کہا اچھا چلو تم
رہا ہے شہر بھی اب یانسے نزدیک
وہ دونون ٹھگ حقیقی تھے برادر
امیرا اور رنہیرا اُن کا تھا نام
ٹھگائی کے لئے پھرتے سدا آپ
دغا سے مکر سے رستہ بھلا کر
ٹھگونکے گھر جو آپہونچا سپاہی
کہ یہ ٹھگ ہین اور ان کا یہی گھر ہے
خدا جانے بچے اب کس طرح جان
ٹھگون کے گھر غرض پہونچا جوان جب
کہ اے بیٹو یہ کیا اچھا جوان ہے
کہا بیٹون نے اپنے باپ سے یون
اب اس کے بیل کو ہم مول لینگے
نظر اس کی طرف اب کیجئے آپ

جو ٹھہرے اس کی قیمت تم کو دین ہم
پسند اس بیل کو اب کیجئے آپ
روپے اس بیل کے ہین ساٹھ لونگا
وہ ٹھہرے جو کہ اب کہدے کوئی اور
وہ ٹھہرے گا جو وہ ٹھہرائیگا اب
جو کچھ کہدیوے قیمت سو ہی دو تم
بس اسکا مول وان ہو جائیگا ٹھیک
اُسی بن مین تھا اُن کا پاس ہی گھر
ہمیشہ رہزنی سے اُن کو تھا کام
حفاظت کے لیے رہتا تھا گھر باپ
سپاہی کو غرض وہ لے گئے گھر
تب اُس کے فہم مین یہ بات آئی
سو جان و مال کا اِس جا خطر ہے
کہ بیڈھب آپھنسے ہین ہم یہان آن
بہت خوش ہوکے بڈھے نے کہا تب
جو آیا بیل پر چڑھکر یہان ہے
کہ جانا آپ نے آیا یہ ہے کیون
جو کچھ کہدوگے تم سو اس کو دینگے
اور اس کا مول بھی کہدیجئے آپ

ہمین منظور رہے کہنا تمھارا
کرو اب فیصلہ یہ تم ہمارا

وہ بولا مین نے اَب یہ بیل دیکھا
سو ہے یہ بیل اُس کا چھ ٹکے کا

سنا یہ مول جب اُسکی زبان سے
چلا یہ بیل چھوڑ اپنا وہان سے

کہا جاتے ہین گھر کو اپنے اِسدم
جو کچھ دوگے کہا لینگے وہی ہم

یہ کہکر اُن ٹھگون سے وہ سپاہی
ہوا گھر کی طرف کو وان سے راہی

کہی گھر جاکے اُس نے اپنے یہ بات
کہ آئی تھی مرے اک نوکری ہات

نہ دیکھا جو مگر اپنا گذارا
کیا اُس نوکری سے مین کنارا

لگا تھا نوکری مین بیل اِک ہات
سو اک رستے مین ملکر دونون بدذات

خریدا تھا اُنھون نے گاؤ مجھ سے
غرض کھیلا عجب اک داؤ مجھ سے

دئے مجکو نہین کچھ بیل کے دام
کیا اچھا نہین دونون نے یہ کام

پھر اک دن پاس اُنکے جاؤنگا مین
کسی ڈھب سے کچھ اُنسے لاؤنگا مین

جوان نے تین دن کے بعد ناچار
کیا اپنا زنانہ بھیس یکبار

بنا اس طرح کا وہ نازنین بس
کہ جو دیکھے سو عاشق ہو وہین بس

کہار اُس نے بلائے خوب ہشیار
منگایا ایک ڈولا بھی طرحدار

سوار اُس ڈولے مین ہوکر سپاہی
ہوا گھر سے ٹھگونکی سمت راہی

ٹھگون کا رہ گیا نزدیک گھر جب
کہارون سے سپاہی نے کہا تب

کہ اس ڈولے کو یان رکھکے اَب تم
چلے جاؤ یہان سے گھر کو بیہم

اگرچہ سب طرح کا خوف ہے یان
مگر اللہ میرا ہے نگہبان

کہارون نے محافہ رکھ کے اسطور
لیا رستہ یہان سے گھر کا فی الفور

گھڑی اک دن ہوئی جب اُس کو آخر
وہ دونون ٹھگ اُسے آئے نظر پھر

نظر آیا ٹھگون کو جب وہ ڈولا
وہین ڈولے کا پردہ جا کے کھولا

نظر عورت پڑی ڈولے مین جس دم
ہوے دونون نہایت شاد و خرم

کہا اے نیکبخت آئی کہان سے
بیان کر تو یہان آئی جہان سے

تو سچ سچ ہم سے کہدے حال اپنا
چھپا مت ہم سے کچھ احوال اپنا

کہا اُس نے کہون کیا اپنا احوال
عجب ہی طرفہ تر ہے میرا احوال

مرے مان باپ کے سے میرا شوہر
کرا کر رخصت اور اس بن مین لاکر

نکالا میرا زیور آہ سارا
گیا پھر ساتھ سے میرے کنارا

وہ شوہر ٹل گیا جب ساتھ سے آہ
کہارون نے بھی اپنے گھر کی لی راہ

ہوئی تھی کچھ خطا مجھ سے نہ زنہار
نہ جانون کیون ہوا وہ مجھ سے بیزار

مجھے وہ چھوڑ کر یون بے ٹھکانے
گیا یان سے کہان اللہ جانے

نہ نکلی تھی کبھی مین گھر سے باہر
کرون احوال اپنا کسپہ ظاہر

پڑی ہون بن مین لاوارث اکیلی
اب اس بندی کا ہے اللہ بیلی

خدا جانے پڑون مین کس کے پالے
پڑے جینے کے بھی اب مجکو لالے

کوئی ہوگا نہ بد اندیش ایسا
ملا تھا میرا شوہر مجکو جیسا

کہا ہم ڈھونڈھنے جاتے ہین اُسکو
ابھی یان ڈھونڈھ کر لاتے ہین اُسکو

طمع سے زیور و زر کی بصد غور
لگے وہ ڈھونڈھنے ہر طرف فی الفور

ہوئے ہر طرف وہ جنگل مین جو یان
نظر آیا نہ اُنکو کوئی انسان

نہ پایا جب کہین بن مین کسی کو
تو آگھبرا ٹھگون نے پھر اُسی کو

کہا ہم سارا جنگل دیکھ آئے
بڑا بیدرد تھا خاوند تیرا
توقع اس کے ملنے کی نہ کر تو
بدل ہم تیری دلداری کرین گے
کیا ہے تیرے شوہر نے بُرا کام
ہوا بیزار گر تیرے وہ رو سے
غرض ہم پوچھتے ہین تجھ سے پھر بھی
ادا سے وہ دکھا کر آنکھ یک بار
بھلا جی اور اب مین کیا کرون گی
رہیگی گر نہ یہ بندی بھی اس جا
گھر اپنے مجھ کو جو کوئی رکھے گا
جو دیکھین اُس کی آنکھین سرمہ آلود
کہا اِک نے کہ تو میرے رہا کر
زیادہ جی سے خوش رکھونگا تجکو
کہا پھر دوسرے نے مین زیادہ
دل وجان سے تری خدمت کرونگا
لگی ہونے جو یون دونون مین تکرار
کہ کوئی اور بھی ہے گھر تمھارے
کہا کچھ مت کرو تکرار یان تم
کہین تیرے میان ہمنے نہ پائے
کہ جس نے اس طرح منھ تجھ سے پھیرا
نگاہِ لُطف سے اَب دیکھ اِدھر تو
نہایت جی سے غمخواری کرین گے
پھر اُس کمبخت کا ہرگز نہ لے نام
تجھے کیا کام اُس کی جستجو سے
کہ گر تجکو رکھے کوئی رہے گی
کہا مین اتو ہر لحظہ ہون ناچار
مجھے جو کوئی رکھ لے گا رہون گی
تو جاویگی بھلا اَب یان سے کس جا
بڑا احسان وہ مجھپر کرے گا
وہین عاشق ہوئے وہ دونون مردود
وہ بولا دوسرا تو رہ مرے گھر
کہ چھب یہ تیری بھائی ہیگی مجکو
تری خدمت کا رکھتا ہون ارادہ
تری مرضی کا مین تابع رہون گا
تو دونون سے یہ بولی پھر وہ ہشیار
کہا ہان قبلہ گاہ اک ہین ہمارے
یہان سے لیچلو مجکو وہان تم

کہین گے وہ بزرگ اَب جسطرح سے
غرض ڈولے کو وہ دونوں اُٹھا کر
سپاہی نے دہین پر آنکھ دکھلا
کہا بیٹون نے پھر یہ باپ سے حال
گیا خاوند اِس کا چھوڑ اس جا
رہا یہ چاہتی ہے گھر ہمارے
رہے یہ پاس میرے یا کہ اِس کے
ہوا تھا دیکھ بڈھا اُس کو شیدا
اگر تم نے کیا اَب آہ یہ کام
رہیگی یہ اگر گھر مین تمھارے
بھلا بیٹو کرو تم کیون نہ وہ کام
رہیگی گھر مین میرے پاس واللہ
مناسب ہے تمھین بس اَب یہی بات
یہ سنکر بات بیٹون کا گیا ہوش
جوان رہنے لگا بڈھے کے جب پاس
وہ بڈھا پاس رکھتا تھا جوان کو
کھلاتا تھا اُسے کھانے عجائب
کبھی گھر مین کا اُس کو زر دکھاتا
مکان مین جسقدر تھا نقد و اجناس

پذیرا کیجیو تم اُس طرح سے
پدر کے پاس اُسکو لے گئے گھر ٹ
گیا بڈھے کو عاشق اپنے رُخ کا
کہ اس عورت کا ہے اک طرفہ احوال
بھلا اَب یہ بچاری جاوے کس جا
اُسے ہم پاس لائے ہین تمھارے
رہے یہ اَب کہو تم پاس جسکے
کہا بڈھے نے بیٹون سے کہون کیا
نہ روٹی کا بھی ہوگا مجھکو آرام
نہ ہرگز کام آئیگی ہمارے
کہ روٹی کا ہو جس مین سب کو آرام
تو بیٹھی خوش رہیگی حسب دلخواہ
کہ ہرگز مت لگاؤ تم اُسے ہات
غرض وہ ہو رہے ناچار خاموش
رہی بیٹون کو پھر ہرگز نہ کچھ آس
فدا کرتا تھا اُسپر اپنی جان کو
نہایت ہی عجائب اور غرائب
کبھی زیور کبھی گوہر دکھاتا
دکھایا سب اُسے رکھ رات دن پاس

کبھی کہتا تھا تو گھر کی ہے مالک
نصیب اچھے تھے تیرے اے مری جان
بہت ہوتی تجھے ہر طرف خواری
اگر ہوتی وہان پر اور بھی دیرہ
جو بر تقدیر مرجاتی مری جان
بھلا تو بھی تو اپنے دل مین کر غور
دکھاؤن تجکو کیا کیا چیز گھر کی
خدا کا شکر کر اب تو دن و رات
جو کچھ دل چاہے سو کھانے کو کھا تو
اگر دل چاہے رکھ پوشش زری کی
تو پہنا چاہتی ہے جیسی انگیا
نتھ اور چوڑی بھی جیسی ہوین درکار
بلاق اچھا تو رکھ لے ناک مین جان
گڑھا دونگا مین وہ پازیب تیار
تو شرمایا نہ کر اب اس طرح جان
تجھے ہے مجھ سے مجکو کام تجھ سے
مین سمجھا تو بڑے گھر کی ہے بیٹی
ہوا اے نازنین معلوم مجھکو
حیا سے تو نہ منھ کو کھولتی ہے

تمام اس زیور و زر کی ہے مالک
جو بیٹے میرے دے آئے تجھے یان
اکیلی بن مین پھرتی ماری ماری
تو کھا جاتا تجھے آکر کوئی شیر
کہان پاتی تو مجھ سا کوئی انسان
کہ کرتا ہون مین تجھ پر پیار کسطور
نہین تعدادیان کچھ سیم و زر کی
کہ ایسا مفت آیا گھر ترے ہات
سدا ڈھولک بجا اور راگ گا تو
لگے گی لگنے تو صورت پری کی
بنا لے بے تکلف ویسی انگیا
سو ہو سکتی ہین ویسی دم مین تیار
نہ خالی جھومکون سے اپنے رکھ کان
کہ جس کی دور تک جائیگی جھنکار
کہ آخر تجکو رہنا ہے سدا یان
چھپایا کر نہ تو منھ اپنا مجھ سے
نہین اب تک کسی کے پاس لیٹی
کہ ہر اک بات مین ہے شرم تجھکو
حیا کے مارے تو کم بولتی ہے

مگر کیونکر تسلی ہو وے میری
یہ نرم آواز سے اُس نے کہا یون
ہوئے ہین مجکو دن یان تین یا چار
ہم آغوشی کا مجکو کیا نہین فرق
غرض ایسی جوان باتین بناتا
چلے جاتے وہ بیٹے جب کہین کو
لگا بڈھا جوان پر ڈالنے ہاتھ
سپاہی نے کہا شرما کے ناچار
نکاح جبتک نہین ہوتا مرے ساتھ
کہا موجود ہے گھر مین سبھی چیز
تو خود مختار رہے اس گھر کی ایجان
کہا جمعہ کا دن جواب کی آوے
وہ پڑھ جائے نکاح آکر ذرا یان
مجھے منکوحہ ہونے دیجئے آپ
یہ سنتے ہی بہت خوش ہوگیا وہ
کہا جمعہ کے دن تو شہر کو جا
یہ پاکر حکم وہ اپنے پدر کا
گیا ہوگا وہ جبدم ایک ہی کوس
رہے ہم ذکر مین قاضی کے مشغول

ابھی اک آنکھ دیکھی ہیگی تیری
کہ جلدی سقدر کرتے ہو تم کیون
ابھی ہون شرم کے ہاتھونسے ناچار
مجھے تو آپ ان باتون سے ہے شوق
کہ بڈھے کو یقین فی الفور آتا
وہ چھوتا جب جوان شرمگین کو
یہی چاہا کہ سوؤن اِسکے مین ساتھ
کہ کیسے آپ ہین دانا وہشیار
لگاتا ہے مناسب کب ہمین ہاتھ
تو کرتی کیون نہین ہے اُسکی تجویز
کر اپنے ہاتھ سے اَب اس کا سامان
کوئی جا شہر سے قاضی کو لاوے
نہین کچھ چاہیئے ہے اور سامان
جو کچھ دل چاہے سو پھر کیجئے آپ
اور اک بیٹے کو پاس اپنے بلاوہ
اور اک قاضی کو اپنے ساتھ لے آ
ہوا جمعہ کے دن راہی شہر کا
جوان بڈھے سے بولا کرکے افسوس
بتا شون پان کو کتنا گئے بھول

ندیکھین گے جو یہ دو چیز بتا قاضی
بتاشون پان بن قاضی جی آکر
کہا بڈھے نے سچ ہے اے مرے جان
یہ بیٹا دوسرا موجود ہے گھر
نکالا منھ سے بیٹے نے نہ کچھ حرف
فقط بڈھا ہی گھر مین رہ گیا جب
نکاح اب قاضی جی پڑھتے ہین آکر
ذرا تم گھر سے باہر جاکے بیٹھو
گیا بڈھے نے جب گھر سے کنارا
دلہن مردانہ جوڑا ایک پہنا
مسلح ہوکے خاطر خواہ فی الفور
گیا جھک کر سلام اور یہ بھی پوچھا
وہ دیکھ اُسکو ادھر جیسے تہین آیا
لگائے پشت وسر این اِس قدر چھٹ
ہوا بیہوش جب اُس کو پکڑ کر
کنوئین کے بیچ مین لٹکا کے اُلٹا
ندیکھا کچھ ذرا پیچھا اور آگا
وہان اتنے مین قاضی جی بھی آئے
ٹھگون نے گھر مین جب بڈھا نہ دیکھا
کبھی ہرگز نہ ہون گے مجھ سے راضی
چلے جاوین گے یان سے طیش کھاکر
بتاشے چاہئین اور پان بھی یان
بتاشے پان لے آوے گا جاکر
یہ سنتے ہی چلا وہ شہر کی طرف
سپاہی نے کہا بڈھے سے یہ تب
سو مین تیار ہو بیٹھون نہا کر
بلا لونگی تمھین گھر مین نہا دھو
زنانہ بھیس سب اُسنے اوتارا
لیا گھر سے زر نقد اور گہنا
اور آگے پاس بڈھے کے اُصطبل
مرا تھا بیل کیا یہ چھ ٹکے کا
اِدھر پھر اُس نے سونٹے کو اُٹھایا
کہ سوجی بیٹھ اور سر کچھ گیا پھٹ
اور اِک مضبوط رسی مین جکڑ کر
لیا پھر دانسے اپنے گھر کا رستا
گیا اک سانس وان سے گھر کو بھاگا
بتاشے پان بھی ٹھگ دونون لائے
ہوا اکبار دل کو سوچ بیحد اٹھ

لگے کہنے بہت سا دیکھ ہر سو — خدا جانے گئے دونون کدہر کو
تلاش ان کو کرین ہم کس جگہ اَب — گھر اور باہر تو کی ہے جستجو سب
کہا قاضی نے اس کی عمر کیا تھی — کہا چودہ برس یا پندرہ کی
کہا قاضی نے تو اب ہم نے جانا — کہ مشکل ہے اُنھونکا ہاتھ آنا
تمھارا باپ تھا ازبس سیانا — وہ سمجھا یہ کہ قاضی جی ہین دانا
نکاح اس زن کا کب مجھ سے پڑھینگے — حوالہ میرے بیٹونکے کرین گے
سمجھکر اپنے دل مین یہ ہی واللہ — کہین عورت کو لیکر اُٹھ گئے واہ
کہا مانو نہ ڈھونڈھو اَب کہین تم — کہ پاؤگے کہین اُس کو نہین تم
چلو ہون مین بھی اپنے گھر کو بس اَب — نہین کچھ دیکھنا ہے پیش و پس اَب
مگر اتنی کرو تم مہربانی — کنوئین سے لا پلادو مجکو پانی
کنوئین مین جو گئے پانی وہ بھرنے — لگے اندر نظر اکبار کرنے
نظر کرتے ہی بس کیا دیکھتے ہین — کہ باوا جی لٹکتے ہین کنوئین مین
کنوئین مین سے شتاب اُن کو نکالا — نکالا اور پلنگ پر لا کے ڈالا
وہ قاضی دیکھکر یہ رنگ اور ڈول — ہوے گھر کو روانہ پڑھ کے لاحول
تو بیٹے مارے غم کے ہو گئے لوٹ — جب آئی تن پہ بڈھے کے نظر چوٹ
کبھی بیٹے بدن کو اُس کے رولین — کہ باوا جی کسی ڈھب منہ سے بولین
کبھی سہلادین اُسکے پانوٴن اور سر — کبھی مٹی سونگھا دین اُس کو لاکر
جب آیا ہوش مین پوچھا تب احوال — کہا کیا پوچھتے ہو تم مرا حال
جسے سمجھا تھا تم نے آہ عورت — نہ تھی زنہار وہ واللہ عورت

ارے تم نے نہ کچھ دیکھا نہ بھالا
کہ وہ عورت نہ تھی تھا بیل والا

اُسی نے بے طرح مجھ کو گھسیٹا
اُسی نے بے طرح سونٹوں سے پیٹا

سنا یہ ماجرا بیٹون نے جس دم
لگے کہنے بہت سا ہو کے پُر غم

کنوئین مین بھی وہی لٹکا گیا ہے
کمر مین بے طرح جھٹکا دیا ہے

اگر اَب کی کہیں پاوینگے اُسکو
تو ہم کچّا ہی کھا جاوینگے اُسکو

نہین لگتا وہ جب تک ہاتھ افسوس
ہمارے جی کو ہے دن رات افسوس

کرے مولا کہین وہ ہاتھ لگ جاے
دغا ہم بھی ذرا دین اُسکو دکھلاے

یہ کہکر پھر لگے وہ دیکھنے گھر
نپایا کچھ بھی رکھا تھا جہان زر

نہ زر پایا کہین اور کچھ نہ زیور
نہ پایا تیر و ترکش اور نہ خنجر

جو دیکھا گھر کو خالی مال و زر سے
لگے سر مارنے دیوار و در سے

بیان سب کر چکا مین حال یانکا
سنو اب مجھ سے سب احوال وانکا

جوان دو تین دن گھر اپنے رہکر
کسی سے حال اپنا کچھ نہ کہکر

لیے کپڑے پہن بودے پُرانے
کہ تا مفلس اُسے ہر ایک جانے

بنا وہ اس طرح کا سیدھا سادا
کہ پہچانے ٹھگون کا پھر نہ دادا

دوائین بھی بہت وہ لیچلا ساتھ
بغیر اُس کے بچانا ڈالنا ہاتھ

ٹھگون کے گھر سوا اُسکو نتھا تاک
چلا وہ ان کے گھر کی سمت بیباک

وہ چلتے چلتے پہونچا اُس کنوئین پر
کہ لٹکایا تھا ٹھگ کو جسکے اندر

نہا کے اور وان چند دن لگا کے
لگا پوجا وہ کرنے من لگا کے

ہوا تھا جون ہی پوجا مین وہ مشغول
کہ آ پہونچے وہین وہ دونون مجہول

گئے بیٹھ اُسکے دونون روبرو وہ | لگے کرنے جوان سے گفتگو وہ
مہاراج آپ آئے ہین کہان سے | کہان پھر آپ جاوین گے یہانسے
بیان ہم سے کرو کچھ اپنا پیشہ | کہ کیا کرتے ہو تم پیشہ ہمیشہ
کہا اُس نے نہایت ہوکے غمگین | کہ ہون مین برہمن محتاج و مسکین ؎
چلا آتا ہون مین یان اپنے گھر سے | بہت آگاہ ہون ہر اک ہنر سے
ملے ہے جو کوئی بیمار و رنجور ؎ | وہین کرتا ہون اُس کا درد دکھ دور
مریضون کی دوا کر جانتا ہون | مریضون کا مرض پہچانتا ہون ؎
نجوم اور شاستر سے بھی ہون آگاہ | مجھے معلوم ہے سب بید کی راہ
بہت سے دیکھتا ہون مین شگون بھی | چلے بھی دیکھتا ہون اور زبون بھی
غرض ہر ایک فن مین ہون مین ہشیار | ولیکن تنگدستی سے ہون ناچار
چلون ہون اب کہین کھانے کمانے | لگا ہے ناک مین دم اپنا آنے
کہا گر آپ ہین ہر فن مین ہشیار ؎ | تو رہیئے آپ یان دور دکھ ناچار
ابھی یان سے کہین ہرگز نہ جاؤ | جو کچھ دل چاہے سو کھانے کو کھاؤ
پڑے ہین قبلہ گاہی اپنے بیمار ؎ | نہایت ہو رہے ہین دکھ سے ناچار
توجہ کرکے اُن کا دیکھیئے حال | کہ کیا کچھ درد ہے اور کیا ہے احوال
بس اب چلیئے یہانسے گھر ہمارے | بدل تابع رہین گے ہم تمھارے
کہا اپنی تو یہ ہی آرزو ہے ؎ | مریضون کی نہایت جستجو ہے
اسی باعث سے مین نکلا ہون گھر سے | کہ پیدا کیجیے کچھ زر ہنر سے
دکھاؤنگا تمھین اپنا ہنر جب | لگے گا ہاتھ میرے تم سے کچھ تب

یہ کہکر ہو لیا تب اُنکے وہ ساتھ
اُنھون نے پھر پکڑ ادسکا لیا ہاتھ

اگر ہے باپ آزاری تمھارا
شفا کا اُس کی ذمہ ہے ہمارا

غرض وے ساتھ اسکو لیگئے گھر
بڑی عزت سے بٹھلایا پلنگ پر

پڑا تھا اک طرف باپ اُنکا بیمار
لگے وہ باپ سے یہ کرنے اظہار

کہ یہ آکر جو بیٹھے ہین پلنگ پر
انھین بھی دیکھ لیجیے اک نظر بھر

انھین لائی ہے یان قسمت ہماری
یہ سب کھو دینگے بیماری تمھاری

طبابت مین بہت استاد ہین یہ
نہایت اہل استعداد ہین یہ

سوا اس کے ہنر ہین اور بھی یاد
غرض ہر ایک فن کے ہین یہ اُستاد

سنینگے وصف اُنکے آپ کیا اب
کچھ انسے پوچھیے اپنی دوا اب

وہ بڈھا ہو گیا خوش سنکے یہ بات
وہین کی بندگی اس کو اُٹھا ہات

کہا گر آپ مین ایسا ہنر ہے
تو صدقے تم پہ میرا سارا گھر ہے

بہت اچھا کیا آئے یہان تم
دوا میری کرو اے مہربان تم

رخ صحت اگر دکھلائین گے آپ
تو سب کچھ میرے گھر سے پائینگے آپ

کہا ہر کی دیا سے ہون مین وہ بید
کہ کر دیتا ہون ہر اک دکھ کو ناپید

تمھاری بھی دوا جو مین کرون گا
تو کچھ دکھ آپ کا رہنے نہ دون گا

شتاب اب اس طرف کو لائیے ہاتھ
مجھے اپنا ذرا دکھلائیے ہاتھ

کرون تشخیص دکھ کی دیکھکر نبض
کہ لرزہ ہے تمھین یا تپ ہے یا قبض

کہا کیا دیکھتے ہو ہات میرا
ندیکھو ہاتھ دیکھو گات میرا

مرض مجکو نہین کچھ تن کے اندر
مرض میرا عیان ہے سب بدن پر

دوا میرے بدن کی آپ کیجے
خبر میرے بدن کی آپ لیجے

لگا پھر دیکھنے وہ اُسکے تن کو ٹہ
کہا پھر دیکھکر سب تن بدن کو

کہ دیکھا ہین بدن سارا تمھارا
رہا ہے بے طرح یہ سوج سارا

اور آتا ہے نظر سر مین بھی اک گھاو
کسی دشمن سے کھایا آپ نے داؤ

ہوئی ہوگی کسی سے یا لڑائی
لڑائی مین کہین یہ چوٹ کھائی

کھو کس مدعی نے ہاتھ ڈالا
کھو کس سے پڑا تھا تم کو پالا

کہا بڈھے نے بس اَب ہمنے جانا
کہ ہو تم بھی نہایت مرد دانا

ذرا ہی سے اشارے مین ہمارا
کیا معلوم تمنے حال سارا

ہمین بیشک ستایا مدعی نے
بلا شک دُکھ دکھایا مدعی نے

مین کہہ سکتا نہین یہ ماجرا سب
مگر کچھ اک سناتا ہون تمھین اَب

کہ لایا تھا جوان اک بیل اس جا
تو پوچھا اُس نے مجھ سے مول اُسکا

کہی ہین اُسکی قیمت چھ ٹکے سب
گیا وہ بیل اپنا چھوڑ یان تب

زنانے بھیس مین پھر یان وہ آیا
ہمارے ساتھ کیا کیا روپ لایا

نکی ہمنے ذرا بھی دل مین کچھ غور
بس عاشق ہوگئے ہم اُسکے فی الفور

لگا رہنے ہمارے گھر مین آکر ٹہ
لیا سب بھید گھر کا دل لگا کر ٹہ

دکھائی تھی جو اُسنے ایسی کچھ آن
کہ جان اُسپر لگا مین کرنے قربان

کئی دن بعد پھر یہ داؤ کھیلا ٹہ
کہ مجھکو دیکھکر گھر مین اکیلا

یہان تک اُسنے مارا کیا کہون مین
یہی بہتر ہے چپکا ہو رہون مین ٹہ

سوا اس کے وہ لیکر سیم و زر مال
گیا بھاگ اپنے گھر کو یا نسے فی الحال

غرض اُسنے بہت سا مجکو مارا / لیا پھر لوٹ بھی سب گھر ہمارا
کہا اُسنے بہت بیجا کیا ہے / جو تم کو اس طرح کا دکھ دیا ہے
مگر تم نے بھی یہ بیجا کیا تھا / کہ بیل اُس کا بتایا چھ ٹکے کا
مرے نزدیک دونون کی خطا ہے / دلے جو کچھ کہو تم سو بجا ہے
یہ کہکر پھر بنایا اُس نے مرہم / لگایا زخم پر اُسکے اُسیدم
کہین ہلدی لگائی اور کہین کچھ / لگانے وہ لگا ہر دم وہین کچھ
کبھی سینکے بدن کو آگ ہی سے / کبھی مالش وہ کرتا تیل گھی سے
کبھی گھی سے کراتا تھا وہ پرہیز / کبھی گھی دال مین کرتا تھا آمیز
کھلاتا تھا کبھی وہ مونگ کی دال / کبھی قلیہ کیسدن مچھلیان ڈال
لگا چنگا وہ ہونے دن بدن جب / سپاہی کی صفت کرنے لگا تب
کہ تم کو خوب ہے دُکھ کی دوا یاد / اجی تم سب حکیمون کے ہو استاد
مرض میرا کیا ہے آپ نے دور / نہون مین آپ کا کس طرح مشکور
مجھے اب کر چکے ہین آپ چنگا / جو فرماؤ نہاؤن جا کے گنگا
کہا چنگے ہوے ہو تم ابھی کب / نہ بیماری گئی ہے آپ کی سب
ابھی کھاؤ دوا دو چار دن اور / تمھین نہلاؤن گا ہرگز نہ فی الفور
دوا ایک اور بھی جو کھاؤ گے تم / تو بڈھے سے جوان ہو جاؤ گے تم
دلے جس چیز کی مین نے تجویز / سو اب بازار سے آدیگی وہ چیز
کہون مین جو کچھ اب منگوائیے آپ / اور اُسکو دودھ سے پھر کھائیے آپ
خدا چاہے تمھین آجائے وہ زور / کہ بس اُس زور کا ہو ہر طرف شور

غرض تمکو کرونگا اس قدر شاد
اگر لینے دوا مین آپ جاؤن
کوئی ملجائے گا وان مجکو بیمار
یہ سنتے ہی گرا پیرون پہ پھر وہ
کہا ہان مجکو ایسی ہی دوا دو
کرو ایسی ہی مجہپر مہربانی ہے
دوا لینے نہ تم بستی کو جاؤ
نہین ہے میری مرضی خود یہ زنہار
کہا پھر یہ امیرا کو بلا کر
گیا لینے دوا جو کچھ بتائی ہے
کہ یاد آئی ہے مجکو اک دوا اور
میسر بھی وہان موجود تھا ہی
اکیلا رہگیا بڈھا ہی گھر جب
زر و زیور سے اُس کے تھا وہ آگاہ
وہین پھر سامنے بڈھے کے آ کر
کہا پھر آپ یہ بتلایئے گا ہے
یہ سنتے ہی ادھر اسکے گئے ہوش
پڑا پیر اس قدر سر مین لگائین
ہوا وہ پیٹتے پیٹتے جبکہ بیہوش

کہ رکھوگے ہمیشہ مجکو تم یاد
نہ جانون جا کے آؤن یا نہ آؤن
نہ آنے دیگا مجکو وان سے زنہار
اور اس کے پانون پر رکھا اپنا سر وہ
کہ ہو جاؤن جوان پھر از سر نو
بڑھاپا جائے اور آوے جوانی
امیرا لاوے گا جو کچھ بتاؤ
کہ جاؤ تم دوا کو سوئے بازار
کہ لا تو اک دوا بستی سے جا کر
گھڑی اک بعد بولا وہ سپاہی
منگانا چاہیے وہ بھی کسی طور
ہوا گھر سے ادھر کو وہ بھی راہی
سپاہی نے کمر باندھی وہین تب
لیا پھر زیور و زر حسب دلخواہ
یکایک بندگی سے سر جھکا کر
مرا تھا بیل گیا وہ چھ ٹکے کا ہے
ادھر لی ہاتھ مین جلد اُسنے پاپوش
کہ گنتی مین بھی بڈھے کے نہ آئین
چلا گھر کو سپاہی ہو کے خاموش

ادھر گھر اپنے پہونچا وہ سپاہی
پدر کا اپنے دیکھا جبکہ یہ حال
کہو یون کس لیئے بیہوش ہو تم
نظر آتا نہین وہ بید بھی گھر
کہا بڈھے نے کچھ اک ہوش مین آ
جسے تھا تمنے سمجھا بید واللہ
گئے ہو تم جبھی دونون ادھر کو
پھر آکر سامنے میرے وہ بدذات
ہوا جب تک نہین بیہوش و بیدم
کہو جاؤن کہا ہین اوسکا مارا
مجھے اُس نے کیا ہے بے طرح تنگ
وہ کس کس روپ سے آتا ہے افسوس
یہ اچھا بیل لائے آہ تم یان
نہین وہ چھوڑتا پیچھا ہمارا
پھرے ہے وہ مری لینے کو جان اَب
اگر وہ یوہین یان آتا رہے گا
کہا بیٹون نے گر آویگا وہ پھر
کیا ہے ظلم اُس نے ہمپہ بے طور
وہ یان جس روپ سے آئیگا مکار

ادھر گھر آئے یہ بھی دونون بھائی
لگے تب پوچھنے وہ اُس سے احوال
کہو کس واسطے خاموش ہو تم
کہ جو ہر بات مین کہتا تھا ہر ہر
کہ پوچھو ہو مرا احوال تم کیا
سو نکلا بیل والا شخص بدخواہ
لیا بس لوٹ اُسنے دوہین گھر کو
لگا بس مارنے پاپوش اور لات
وہ مارے ہی گیا پاپوش ہیہم
وہ یان کرنے نہین دیتا گذارا
نہین کچھ خوب میری زیست کا ڈھنگ
وہ کیا کیا روپ دکھلاتا ہے افسوس
چلی جس بیل کے پیچھے مری جان
کرین ہم کس طرح اپنا گذارا
گھر اپنا چھوڑ کر جاؤن کہان اَب
تو اک دن جی مرا جاتا رہے گا
ہم اُس کا کاٹ ڈالین گے وہین سر
نہ بھولینگے کبھی ہم اس کا یہ جور
اُسے جیتا نہ ہم چھوڑین گے زنہار

خبردار اُسکے اب ہر دم رہین گے
رہین گے فکر مین اب اُسکی دن رات
بس اب گھر سے نجائینگے کہین ہم
یہان وہ مکر سے آیا ہے دوبار
غرض وہ ہر طرح سے ہو کے پُرجوش
سُنو اب اُس سپاہی کا یہ احوال
لگا بازار سے سب کچھ منگانے
کبھی وہ خوب سا حلوا پکاوے
کبھی آمیز کر کے شکر اور گھی
لگا وہ خرچ کرنے جبکہ بیباک
جو دیکھا تھا انھون نے اسکا وہ رنگ
کہی ا دن بھائیون نے اُس سے یہ بات
تو کرتا ہے یہ زر سو راہ مین خرچ
نظر آتا ہے تو زردار ہمکو
تو ہے آسودہ حال اور فارغ البال
بہت تکلیف مین ہین آج کل ہم
کہا تھا پیشتر یہ تو نے آکر
کسی کے ہاتھ اُس کو بیچ آیا
یہ کہہ اب تو کہ کیا لایا ہے دانسے

بہت سا ہوشیار اب ہم رہین گے
کسی دن آخرش لگجائیگا ہات
رہین گے کوئی دن بیٹھے یہین ہم
کبھی کیا پھر نہ آوے گا وہ مکار
پھر آخر ہو گئے ناچار خاموش
کہ کیا کیا کچھ کیا گھر جا کے فی الحال
لگا میوہ مٹھائی روز کھانے
کھلاوے اور کو اور آپ کھاوے
مزے سے ہاتھ مارے بھات پر بھی
دل ہمسایگان جلبجل ہوا خاک
یکایک دیکھکر وہ ہو گئے دنگ
کہان سے زر لگا اتنا ترے ہات
نہین کرتا ہے کوئی اتنا بھی خرچ
بہت زردار ادہر ہشیار ہم کو
ادھر بھی ہو ذرا پُرسان احوال
نہین اس غم سے فارغ ایک پل ہم
کہ لایا بیل تھا مین اک کما کر
پھر اُس کا مول بھی مینے نپایا
کہ آیا ہے سفر کر کے جہان سے

کہا سچ تو کہی تھی مینے یہ بات
گیا پھر مین جو اُس کے پاس دو بار
بلاشک ہے بہت وہ مرد اشراف
چلا جاتا ہون اُس کے پاس جب ہی
ولیکن اُسکے بیٹے ہین جو دو اور
مین جب جاتا ہون لینے بیل کے دام
پڑ رہی انکا ہے کچھ مرد معقول تو
کرون مین کس طرح سے اُسکی تعریف
نجانا تھا سو تم نے ابتو جانا
بھلا تم بھی چلو اب کی مرے ساتھ
وہان سے تم بھی آؤگے نہ خالی
وہ بولے ہوکے خوش با خاطر شاد
بس ابکی ساتھ ہم کو لیچلو وان تو
کیا کچھ بھید سے اُس نے نہ آگاہ
رہا نزدیک گھر جب اُن ٹھگون کا
کہا یان سے قدم جلدی اُٹھا کر
کہ کوئی آدمی بھی گھر ہے اسدم
تمھارا نام پوچھینگے وہ واہی تو
اگر بڈھا وہان ہوگا فقط گھر

کہ قیمت بیل کی آئی نہین ہات
دیا کچھ خرچ مجکو چار و ناچار
اور اس کا ہے نہایت مجھ سے دل صاف
وہ دیتا ہے مجھے کچھ خرچ تب ہی
سو اُن کا ہے نہایت طور بے طور
تو تڑانے لگے ہین وہ بد انجام
کچھ اُس کا خرچ دینے کا ہے معمول
کہ ہوسکتی نہین ہے اُس کی توصیف
بدولت اُسکے مین کھاتا ہون کھانا
یقین ہے خرچ کچھ لگ جائیگا ہاتھ
کہ ہے وہ جاگہ اپنی دیکھی بھالی
بجا لادین گے ہم بھی حسب ارشاد
بڑا ہوگا تمھارا ہمپہ احسان تو
چلا وہ بھائیون کو لیکے ہمراہ تو
جوان نے دور سے گھر اُن کو دکھلا
یہ دو آواز دروازے پہ جا کر
کہ آئے ہین یہان اس کام کو ہم
تو کہنا بیل والا ہون سپاہی
بہت سا مہربان ہوگا وہ تمپر

تواضع آپ کی یا تنگ کرے گا
اگر اُسکے پسر گھر ہون گے موجود
انھین تم دیکھتے ہی بھاگ جانا
نہین کمزور ایسے تم بھی زنہار
غرض دونون نے دروازیکے اوپر
امیرا اور سنیرا گھر تھے موجود
لگے کہنے کہ کیا ہے نام تیرا
یہ سُنتے ہی وہ باہر گھر سے آئے
لگے یہ بھاگنے بس وانسے جو ہین
لگی ہونے پھر آپس مین لڑائی
جوان نے دور سے یہ دیکھا احوال
ٹھگون کے گھر پہونچ اور لیکے پاپوش
پھر اپنا بیل کھول اور سوئے خانہ
گھڑی اک بعد آئے دونون بدذات
جو دیکھا باپ ہے از بسکہ بیہوش
گئے تھے چھوڑ کر ہم مت کو اچھا
کہا مین کیون نہ ہون اس طرح بیہوش
گئے ہو تم یہان سے آہ جو ہین تو
نے مجھے بس تو تھونسے خوب سا مار

کہ پیر دن پر تمھارے سر دھریگا
خلش کو مستعد ہون گے وہ مردود
وہان سے بھاگ کر پھر گھر کو آنا
جو کھاؤگے انھین کے ہاتھ سے مار
ٹھگون کو دی وہین آواز جا کر
یکایک جھانک کر وہ دونون مردود
کہا ہے بیل والا نام میرا
انھون نے بھی قدم وانسے اُٹھائے
لیا اُن کو پکڑ دونون نے وہین
لگے کرنے بہت مار اکٹھائی
وہان کے دوسرے رستے سے نکال
وہین بڈھے کے کھوئے مار کر ہوش
دلیرانہ ہوا وان سے روانہ
بہت سا پوچھتے اور جھاڑتے گات
تو بیٹون نے کہا تم کیون ہو خاموش
کہو اتنے مین تمکو ہو گیا کیا
کہ پھر اب سر پہ کھائی مینے پاپوش
سپاہی بیل والا آکے وہین
پھر اپنے بیل پر چڑھ کر وہ طرار

گیا فی الفور یانسے بھاگ گھر کو
نجانے کیون گئے تھے یان سے کس جا
کہا وہ مدعی یان کیونکر آیا ہو
بھلا تمنے نہ کیون ہمکو پکارا
ہم اُس کا گھر ہی گھر مین کام کرتے
کہا بڈھے نے تم سے کچھ نہ ہوتا
مگر اچھا ہوا وہ لے گیا بیل
بندھا آکر ہمارے گھر مین جب سے
گیا وہ بیل لیکن بچ گئی جان
ہمارا اُلٹ گیا گھر جب سے سارا
غرض یون کرکے باتین با دل ریش
ٹھگون کا کہہ چکا مین ماجرا سب
کہ جب لیکر گیا وہ بیل گھر پر
کہ وان سے ٹل گیا تھا تو کدھر آہ
اُنھون نے ہمکو مارا اس طرح سے
چھڑا کر اپنا پیچھا وانسے جون تون
کہا مین نے کہا تھا اولاً ہی ہو
نہ دیکھا ہوگا ہرگز کچھ پس و پیش
اُنھون کے گھر گیا تھا مین بھی واللہ
نہ دیکھا پھر نظر بھر کر ادھر کو
یہ کی تخریب میری اُسنے بیچ پ
اُسے تو مار کر ہمنے بھگایا ہے
ہمارے ہاتھ سے وہ جاتا مارا
تمھارا اور اپنا نام کرتے
جو ہوتا تو مین یون کاہے کو روتا
کہ اس کمبخت کا منحوس تھا بیل
سراسر ہوگئے برباد تب سے
کہ وہ مکار آویگا نہ پھر یان ہے
چھُٹا مکار سے پیچھا ہمارا
پھر آخر ہو رہا چپ وہ بد اندیش
سپاہی کا سنو احوال تم اب
تو بولے اس سے وہ دونون برادر
وہ دونون ہم کو آچمٹے تھے بدخواہ
گئی عزت ہماری کس طرح سے
گھر اپنے بھاگ کر ہم آئے دونون
کہ بیٹے اُسکے ہین بد ذات واہی
لپٹ تم کو گئے ہونگے وہ بدکیش
مگر مجکو دیا کچھ بھی نہ خرچ آہ

جو ہاتھ آتے نہ دیکھا بیل کا مول — تو لایا اس کے گھر سے بیل کو کھول
ملیگا گر کوئی گاہک مجھے اور — تو مین اس بیل کو بیچونگا فی الفور
جہان سے بیل کے مین دام لونگا — وہان سے کچھ تمھین بھی خرچ دونگا
بس اب خوشدل زبان کو بند کر تو — بہت سا کہہ چکا ہے درگذر تو ہ
تمام اب ہو چکی یہ سب کہانی — گری ہے تو نے بس گوہر فشانی ہ

تمت

قصہ محمود شاہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تھا ملک عجم مین ایک سلطان — موصوف بعدل و داد و احسان ہ
کسریٰ سے فزون تھی اس مین نصفت — حاتم سے بھی زائد اُس مین ہمت
رستم ہے دلاوری مین افزون — حکمت مین تھا غیرت فلاطون
القصہ وہ شاہ بحر الفت — رکھتا تھا بحال خلق شفقت
تھا گشت کنان وہ شب کو چون ماہ — تا خلق کے حال سے ہو آگاہ
اک شب جو وہ شاہ گھر سے نکلا ہ — رہ مین ہوئے چار شخص پیدا
کہنے لگے شاہ سے کھڑا رہ — تو کون ہے نام کیا ترا کہہ
جاتا ہے کہان سے تو کہان یار — شبگردی سے تجکو کیا سروکار
بولا شہ سُنکے بے تامل — کرتے ہو عبث یہ شور اور غل

جو تم ہو سو مین جو مین سو ہو تم ہ
کرتے ہو جو اس اپنے کیون گم

تقریر یہ شاہ کی وہ سُنکر
کہنے لگے تجھ مین کیا ہین جوہر

شہ نے کہا پہلے تم بتا دو
پھر میرے کمال کا پتا لو

چار دن مین سے ایک تن یہ بولا
حیوان کی ہون گفتگو سمجھتا

کہنے لگا دوسرا یہ سُنکر
بتلا دون دفینہ ہو جہان پر

کی تیسرے شخص نے یہ تقریر
کرتا نہیین ہین نقب مین تاخیر

ہو سنگ و حدید کا اگر کاخ ہ
کر دون اک پشت پا مین سوراخ

چوتھے نے کہا یہ سُنکے فی الفور
اَب میرے کمال پر کرو غور

یعنی جسے ایکبار دیکھون
سایہ سے شناخت اُس کی کرلون

جب کہہ چکے وہ کمال اپنا
شہ سے کہا کہہ تو حال اپنا

شہ نے کیا اپنا حال ظاہر
ہون گو مین بہت فنون سے ماہر

اعجوبہ دلے یہ ایک ہے فن
مجرم کوئی ہوئے مرد یا زن

جرم ایسا کہ ہوئے لائق دار
دے قتل کا حکم شہ بتکرار

مین سر کو جو دفعتہً ہلا دون ہ
ہو قتل سے وہ اسیر مامون

چار دن نے یہ سُنکے فن فائق
بولے کہ ہین آپ سب سے لائق

القصہ وہ پانچون تن خرامان
چوری کو چلے وہان سے شادان

پہونچے جو وسط شہر مین جا
اک سگ عف عف سے پیش آیا

حیوان کے سخن کا بھتا جو دانا
سب نے کہا اُس کو ہان بتانا

کتا کیا کر رہا ہے گفتار
کہہ فکر صحیح سے تو اے یار

بولا یہ کہہ رہا ہے حیوان — ہے ان پانچون مین ایک سلطان
پھر سب نے باتفاق پوچھا — ہے کون سا ان مین شاہ بتلا
کہنے لگا ایک شخص یاران — موقع ہے نہین تمیز کا یان
جس کام کی کر چکے ہو نیت — انجام مین اُس کے باندھو ہمت
آگے کرو اب اُسے روانہ — بتلائے جو موقع خزانہ
القصہ ہوا وہ آگے ہشیار — تھا جو کہ خزانہ سے خبردار
رکھا تھا جہان خزانہ شاہ — پہونچا وہ اُسی جگہ پہ ناگاہ
کہنے لگے نقب زن سے اکبار — کر نقب تو پشت پاسے اے یار
چالاکی سے نقب زن نے بڑھکر — جس جا تھا خزانہ ماری ٹھوکر
اک ہی ٹھوکر سے نقب تھی پار — حیران ہوئے اُسکو دیکھکر یار
اور شہ کو تھا سخت طیش اُس حال — یعنی کہ اسی کا تھا وہ سب مال
پھر سوچ کے دل کو کی تسلی — اس وقت مین ہے روا خموشی
بارے کچھ کر کے ٹھیک ساعت — اندر گئے چار تن بسرعت
پنجم سے کہا کہ تو بھی اب آ — شہ عقل کو ہو کے کارفرما
کہنے لگا اُن سے یون بتکرار — در آنا مجھے نہین سزاوار
رہنے دو مجھے مکان کے باہر — کھولون تا حال یان کا تم پر
یہ کہہ کے وہان سے شہ نے لی راہ — اور جا کے کیا عسس کو آگاہ
ہوتا ہے تباہ شاہ کا مال — کیا ہوگا تمھارا صبح کو حال
یہ سُنکے عسس ہوا روانہ — لی شاہ نے دانسے راہ خانہ

پہونچا جو کوتوال اُس جا
کر کے پھر حملہ اُس نے یکبار
پو پھٹتے ہی کر لیا سب دربر
جس دم شہ شہ نشین پہ بیٹھا
بعد از تقدیم رسم تسلیم
چورون کی بیان کی حکایت
پا کر پھر حکم پادشہ کا
فرمایا یہ شہ نے کر کے غصہ
اچھے یہ نہ تھے تمھارے کردار
پھر حکم ہوا عسس کو قطعی
پا کر یہ کوتوال ایسا
ان سب مین جو مرد م آشنا تھا
یہ شاہ جو تخت پر ہے بیٹھا
دانست پر اپنے پھر یقین کر
کی چارون نے پھر عسس کی منت
ہین مرنے کو اپنے یعنی طیار
سنکر یہ عسس نے تول پر پاس
سلطان نے پھر انکو وان جو دیکھا
بولے سب دست بستہ ملکر

دیکھا تو ہے شہ کا مال لٹتا
ان چارون کو کر لیا گرفتار
پہونچا وہ بادشہ کے در پر
فوراً وان کوتوال پہونچا
اور لا کے بجا طریق تعظیم
ظاہر پھر اپنی کی شجاعت
حاضر کئے چارون چور اُس جا
کیا تم نے کیا تھا بد یہ پیشہ
اب دار ہی تم کو ہے سزاوار
کر چارون کو قتل جا کے جلدی
لے چارون کو اپنے ساتھ نکلا
کہنے لگا یون برمز ایسا
دیکھا ہے ضرور اُسے کسی جا
بولا یہ شب کو تھا مقرر
ہے دل مین ہمارے ایک حسرت
دیکھین سلطان کو اور اکبار
حاضر کیا ان کو شاہ کے پاس
فرمایا کہ اب یہ کہتے ہین کیا
سلطان نے ہمارے دیکھے جوہر

ہم چار دن تو قتل ہوتے ہین اب — آپ اپنا ہنر دکھاٸین گے کب
شہ نے یہ التماس سُنکر — فرمایا غمس سے مسکرا کر
گو قتل کے ہین یہ سب سزادار — بخشا پر مین نے اِن کو ناچار
اُمید ہے روز حشر داور — جب دیکھیگا عاصیون کو مضطر
بندون کی کرے معاف تقصیر — اور عفو گنہ مین ہو نہ تاخیر
رحمت مین ہر ایک کو جگہ دے — رحمت سے عذاب کی بچالے
ہو گرچہ خطا و ظلم ہم سے — گذرے ہے کریم کب کرم سے

تمت

قصہ چار باغ رنگین پُرلطف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد خدا و نعت رسول — اک کہانی سُنو یہ تم معقول
کہ کسی وقت مین کہین ہمدم — ہمسفر چار شخص تھے باہم
ایک درزی تھا ایک تھا نجار — ایک زاہد تھا اور ایک سُنار
سب سفر مین اذیتین پاکر — وارد اک شہر مین ہوئے جاکر
تھا جو چوری کا وان بہت خطرا — کوئی دم بھر نہ شب کو سوتا تھا
یار جانی تھے بسکہ وہ باہم — تو اُنھون نے کہا یہ کھاکے قسم
شام سے لیکے آج تا بہ سحر — جاگئے شب کو ایک ایک پہر
تاکہ جاتا رہے نہ کچھ اسباب — مستعد ہوگئے یہ کہکے شتاب

باغ اوّل از نجار بوجود آمدن صورت نہانی از کتم عدم

پہلے نجار کی ہوئی باری
جی مین اُس کے وہین یہ پھر آیا
نیند بن شغل مجکو آوے گی
بیٹھکر گر طیئے ایسی اک تصویر
پھر ہوئی نیند اُس کو جب طاری
چیر کر جلد ایک لکڑی بڑی
دیکھ جس کو پری ہو دیوانی ؎

اُس نے کی جاگنے کی طیاری
کہ نہین یون ہے جاگنا اچھا
مفت مین چیز بست جاوے گی
جس کو ہو دیکھ خوش دل دگیر
سوچکر اُس نے کی یہ عیاری
کاٹھ کی ایک ایسی پتلی گڑھی
بنی ایسی تھی شکل لاثانی

باغ دوم پارہ دوزی خیاط بہ پیرایہ پیرائی تصویر

تھا وہ درزی جو ایک اُن مین یار
دیکھا جو اُس رد ش کو وان فی الحال
اُس کو نجار نے بنایا ہے
کچھ تو مین بھی ہنر جتاؤن اب
الغرض لیکے وہ سوئی تاگا ؎
سی وہ پوشاک ساری نادر کار
عطر مین پھر بسا دیا اُسکو

وہ ہوا دوسرے پہر بیدار
جی مین اپنے کیا یہ اُسنے خیال ؎
کسب اپنا مجھے دکھایا ہے
اُس کو پوشاک سی پنھاؤن اب
بیدھڑک آدھی رات تک جاگا
جب وہ جوڑے کو کر چکا طیار
بے تکلف پنھا دیا اُسکو ؎

باغ سوم زینت دادن زرگر تصویر را بہ صنعکاری خود

پھر سنار آدھی رات کو اُٹھا ۔ اس پری رو کو اُس نے وان دیکھا
اپنے جی مین کہا کہ دونون یار ۔ صنعتین اپنی کر گئے اظہار
کسب مین بھی تو کچھ دکھاؤن انھین ۔ اپنی کاریگری جتاؤن انھین
کہکے یہ اور نکال کر اوزار ۔ جلد گہنا وہین کیا طیار
گڑھ چکا جب وہ سادہ کار تمام ۔ کیا مینے کا سبز اسپر کام
سب وہ گہنا پھر اُسکو پہنا کر ۔ اپنے بستر پہ سو رہا جا کر
زیور از بسکہ تھا بہت بھاری ۔ پُتلی سونے کی ہو گئی ساری

باغ چہارم جاندار شدن تصویر بتاثیر دعاے زاہد

نیند جب خوب سے چکا زاہد ۔ آخر شب کو تب اُٹھا زاہد
دیر تک اُس کو دیکھتا وہ رہا ۔ بعد ازان اپنے دل سے اُسنے کہا
چاہتا ہے یہی خیال اپنا ۔ مین بھی ظاہر کرون کمال اپنا
یون دعا مانگنے لگا رو رو ۔ اے کریم ابتو جان دے اسکو
قدرت حق سے ایکدم کے بیچ ۔ آگئی جان اُس صنم کے بیچ

فساد برپا شدن باہمدگر وقت صبح

بارے اتنے مین دن ہوا روشن ۔ شکل کو اُسکی دیکھ چارون تن

دو گھڑی تک کھڑے رہے خاموش ۔ بعد از ان اُن کو آگیا جب ہوش
بہتر اُس کو پری سے جب پایا ۔ اُس کا کرنے لگا ہر اک دعوا
بولے نجار نے کہا یارو ۔ جی مین کچھ غور کرکے سمجھو تو
سر بہت مینے جب کھپایا ہے ۔ اُس کو تصویر تب بنایا ہے
مطلق اُس کا نہین تھا نام و نشان ۔ اس نہان کو کیا ہے مینے عیان
تم کو جھگڑے سے ہوگا کیا حاصل ۔ سب کا دعویٰ ہے مجھ سوا باطل
سُن کے درزی یہ بات ہو کر گرم ۔ یون لگا کہنے کر خدا سے شرم
مین نے پوشاک جب پنہائی خوب ۔ کاٹھ کا اُس کے تب گیا اسلوب
ورنہ اک کاٹھ کی تھی یہ مورت ۔ اُس نے پائی تھی یہ کہان صورت
قطع درزی جو کرچکا یہ کلام ۔ تو کہا پھر سُنار نے اے رام
خرچ اسپر ہوا ہے میرا مال ۔ اور یہ آپس مین کرتے ہین جنجال
سُن کے یہ بات زاہد ہیکش ۔ بولا تم سب ہو پائے بند ہوس
ہے یہ از روے شرع میرا حق ۔ نرکھو اُس سے تم غرض مطلق
صبح کو مین نہ مانگتا جو دعا ۔ کس طرح اس مین جان آتی بھلا
جب یہ قصہ بہت بڑھا تو وہان ۔ ہوے آکر کے جمع پیر و جوان
جو اُسے دیکھتا تھا بیدم تھا ۔ سچ مچ اُسپر پری کا عالم تھا

آمدن کوتوال و برگشتن ایمان آن بدخصال

جب ہوئی کوتوال کو یہ خبر ۔ سب مین وہ بھی کھڑا ہوا آکر

اُس پریزاد کو اُس نے جب دیکھا
پیٹ کر اپنا سر ہر اک سے کہا
یہ تو اس شخص کی قبیلا ہے
مطلب اس سے کہو تمھین کیا ہے
یہ تو جاتی تھی اپنے باپ کے گھر
تم اسے کس طرح سے لائے ادھر
مال جتنا لیا ہے وہ دیجے
پان کھانے کو مجھ سے کچھ لیجے

رفتن پیش قاضی برائے انصاف

گفتگو سے ہوا جو کچھ نہ حصول
تو سبھون نے سخن کیا یہ قبول
قاضی اب جو کہے وہی کیجے
جس کو فرماوے وہ اُسے دیجے
بات جو یہ ٹھہر گئی بارے
وانسے قاضی کے گھر گئے سارے
سب نے قصہ بیان کیا جا کر
حال سارا عیان کیا جا کر
اُنسے احوال یک بیک سُنکر
قاضی جی نے کہا یہ جل بھُنکر
کچھ بھی تم کو تمیز ہے یارو
یہ تو میری کنیز ہے یارو
لے کے بھاگی تھی مال اور زر کو
لوٹ کر لے گئی تھی یہ گھر کو
دولت اُس نے کہین چھپائی ہے
اب یہ قسمت سے ہاتھ آئی ہے
تم مٹھائی کے طور سے کچھ لو
اور یہ میری کنیز مجھکو دو
قصہ کوتہ ہر ایک کہتا تھا
پر اُسے کوئی لے نہ سکتا تھا
غور کیجے تو ایک وہ دلدار
اور اتنے ہین اُسکے دعویدار

رفتن جملہ متخاصمین پیش درخت منصف مسمی بشجرۃ الحکم

برای دادخواہی و بوقوع رسیدن لطیفۂ کل شئی یرجع الیٰ اصلہ

تھا وہاں اژدحام خلق اللہ — اُنمیں سے ایک نے کہا ناگاہ
اب مرا گوش تم کلام کرو — کیوں جھگڑتے ہو ایک کام کرو
یاں سے سو کوس پر ہے ایک درخت — واں تلک تم سفر کا باندھو رخت
اُس سے یہ ماجرا کرو اظہار — ہمدگر گیا ضرور ہے تکرار
بات جو حق ہے وہ کہے گا صاف — اُس کے کر دیے گا واجبی انصاف
جب ہوئی اس سخن سے آگاہی — تب اودھر کو وہ سب ہوئے راہی
ہارے کھو کھا کے اپنے ہوش وحواس — پہونچے گر پڑ کے اُس درخت کے پاس
جو کچھ آپس میں قصّہ گذرا تھا — سو بہ تفصیل سب بیان کیا
آئی آواز ایک ہیبت ناک — سینہ جھٹ ہو گیا درخت کا چاک
اصل جنسیت آ گئی اُس میں — دوڑ کر وہ سما گئی اُس میں
جو ہیں واں واردات گذری یوں — ہو گیا پھر درخت جوں کا توں
چھا گیا اُن سبھوں پہ عالم یاس — یوں لگے کہنے سب وہ ہو کے اداس
اب تو آپس کی مٹ گئی کلکل — لو یہ جھگڑا ہی ہو گیا فیصل
اصل سے فرع فرع سے ہے اصل — کیوں نہ دونوں کا ہمدگر ہو وصل
جزو کی نسبت ہے اپنے کُل کے ساتھ — نشہ ہوتا ہے جیسے مُل کے ساتھ

سب نے دفتر جو درد کا کھولا ہے
زاہد اُن مین سے اِس طرح بولا ہے
وار دات ایسی ہے عجیب وغریب
حق تعالیٰ کرے ہمارے نصیب
یعنی ہم تم بھی جس کے ہین اجزا
قطرہ سان سب ہین اور وہ ہے دریا
ہون اسی طرح اُس سے سب ملحق
نظر آوے نہ اُس سوا مطلق ہے
یار و عشق مجاز ترک کرو
رہ حقیقت کے عشق کی سب لو
سُن کے یہ پند زاہد آگاہ
سب نے لی اپنے اپنے گھر کی راہ
الغرض اپنا مدعا ہے یہی
یہ کہانی جو نظم میننے کی

تمت

قصۂ سوداگر بچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اول نام اللہ کا سر تاج ہے
دو عالم مین جس کا بڑا راج ہے
وہ اول وہ آخر کریگا جو سوئی
جو دنیا مین آیا رہیگا نہ کوئی
وہ قادر ہے قدرت سے سب کچھ کرے
وہ بخشیگا اُسکو جو اُس سے ڈرے
الٰہی مین تیری صفت کیا کرون
چہ قدرت زبان کو بیان تا کرون
تو چاہے تو رائی کو پربت کرے
تو پربت کو ناچیز کرکے دھرے
الٰہی مری تجھ سے ہے آرزو
کہ دنیا و عقبیٰ مین رکھ آبرو
تو بندے پر اپنے سدا مہر کر
کرم کی نظر سے لے اُسکی خبر

مین قدرت کا تیری کرون کیا بیان ؎ تو رزاق مطلق ہے در دو جہان
جو توبہ کرے اور تجھ سے ڈرے ؎ دو عالم مین بخشے جئے یا مرے
بہت راہ مین تیری بھٹکت پھرین ؎ نپا دین تجھے سر کو ٹکت پھرین
جنھون نے تری راہ مین سر دیا ؎ اُنھون نے کمائی کو پورا کیا
الٰہی مین بندہ گنہگار ہون ؎ تری بخششون کا طلبگار ہون
الٰہی تو مجھکو نہ محتاج کر ؎ تو لے فضل سے اپنے میری خبر
الٰہی یہ قدرت ہے تیری عجب ؎ کہ دیتا ہے روزی مجھے بے سبب
تو صاحب ہے میرا مین بندہ ترا ؎ ہے نت غور اور فکر تجھکو مرا

در نعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ اجمعین

قیامت مین مجھکو بڑی آس ہے ؎ کہ محبوب حق کا نبی خاص ہے
وہ درگاہ تیری مین سرتاج ہے ؎ دو عالم شفاعت کا محتاج ہے
بہت راہ اُس پل کی تاریک ہے ؎ اور اک بال سے بھی وہ باریک ہے
تو دیدار دے گا جسے کردگار ؎ گنہ بخشیگا اور لگا وے گا پار
تو اُس وقت پر ڈر کچھو نا رہا ؎ صدق سے جو کلمہ نبی کا پڑھا

آغاز قصہ

مین اس بعد آغاز قصہ کیا ؎ کہ تھا فارسی ہندوی مین لکھا
یہ دیکھا تباریخہاے کہن ؎ کہ ہے سر بسر سلطنت کا سخن

کہ سلطان محمود صاحب ہنر
سدا شہر کی اپنے لیتا خبر

رعیت پہ ہے ظلم یا عدل ہے
قہر ہے نگر بیچ یا فضل ہے

پہن کالے کپڑے سر شام کو
نکلتا تھا تا دیکھون انام کو

ہوا جب مسلح کمر باندھ کے
اکیلا چلا خنجر ایک ہاتھ لے

کیا گشت ہر سوے بازار کو
چلا دید گلیون کو وہ نام جو

نپایا کسی ٹھور بٹ مار کو
نہ چور اور رہزن نہ بدکار کو

کیا شکر ایزد کا پھر صبح و شام
کہ ہے امن مین سب رعیت تمام

ہے اس خلق پر عدل اور غم نہین
کوئی ظلم ظالم سے پر غم نہین

کہا پھر یہ دل مین شہ بے نظیر
کرون سیر ٹک مین محل وزیر

گیا ایک سیہ پوش سلطان امیر
جو گذرا وہ طرف مکان وزیر

گذر شاد کا اُس طرف جا پڑا
تو دیکھا جوان اک مسلح کھڑا

کھڑا دیکھا اک نازنین نوجوان
جوان کی طرف کو ہوا وہ روان

جو چاہے کہ پھینکے کمند جا اڑے
تب اُس آسرے سے محل پر چڑھے

جو تحقیق دیکھا اُسے رات مین
کمند مسلسل لیئے ہات مین

یہ جانا کوئی چور بٹ مار ہے
دیا یہ کسی کا گرفتار ہے

ڈپٹ کر پکارا کہ اے بے خبر
نہین خوف میرا ہے تجکو مگر

کہا کہ تو مجھ سے ترا نام کیا
کیون آیا ادھر رات کو کام کیا

لگا کے طمانچہ پکڑ زور زور
و پکڑا اُسے جانکر اُس نے چور

کہا اُس نے اے مرد صاحب ہنر
مجھے حال سے اپنے دیجے خبر

کہ تم کون ہو تم کو کیا کام ہے
کہا ہون مین اس شہر کا کوتوال
یہی کام میرا ہے ہر صبح و شام
جو مین تجھکو پکڑا ہے یون آن کر
پکڑ ہاتھ اُس کا لے آگے دھرا
کہا اے شہنشاہ کے کوتوال
جو اس وقت چھوڑو تو تم لو ثواب
کہا شہ نے اے طفلک بے خبر
جوان مرد بولا کہ اے نیکنام
اگر لیچلو مجھکو گھر کی طرف
مرا باپ تمکو ضمان دیوے گا
کرے دور میرا یہ ہے مجکو آس
کیا شاہ نے اپنے دل مین خیال
پکڑ ہاتھ اس کا رکھ آگے دھرا
جوان مرد کا باپ مقبول تھا
خبر جب ہوئی اُس بڑھے مرد کون
عبادت مین مولا کے تھا مین تمام
کہا ہون مین اس شہر کا کوتوال
کہا لیچلو تم پدر کے حضور

جو کہتا ہے کہہ کیا ترا نام ہے
تجھے پوچھنا کیا ہے میرا یہ حال ہے
کہ رہزن و بدکار پکڑ دن تمام
فجر کو چڑھاؤن گا لے دار پر
جوان تھے یہ اندیشہ دل مین پڑا
کرون عرض تمسے مین اب اپنا حال
کہ فردا کرون گا مین اپنا جواب
پکڑ چور کو کس نے چھوڑا مگر ہے
ہون تاجر کا بیٹا فلانے مقام
خدا کو جو مانو تو ہے اک حرف
ضمان دے کے تم سے امان لیویگا
ضمان دیکے مجھکو کرے گا خلاص
بھلا باپ کا دیکھئے اسکے حال
چلا جا دوارے پہ ٹھاڑھا گیا
خدا کی عبادت مین مشغول تھا
کہا اُس نے آکر بڑے درد سون
ستایا بڑی رات کو کیا ہے کام
نہین دیکھتا تو پسر کا یہ حال
تجھے دینے ضامن یہ آیا ہے پور

اب اس وقت مجکو بڑا زور ہے
که چوری مین پکڑا بڑا چور ہے

بوقت سحر اُس کو مارینگے ہم
لہو خاک مین اُس کا ڈالینگے ہم

کہا مرد صالح نے اے شیر نر
اگرچہ پیارا ہے میرا پسر

ہمیشه نصیحت بہت مین نے کی
دلے دل مین لایا نه یه ایک بھی

مین ہر وقت کہتا تھا اس راه چل
که شب کو تو گھر سے نه باہر نکل

سخن میرا اس نے کبھی نا سُنا
که جیسا ہی بویا تھا ویسا چُنا

مین ضامن نه ہونگا مجھے عار ہے
که یه پور میرا تو بدکار ہے

نجانون که فردا کو کیسی پڑے
پرائی بلا کون سر پر دھرے

جو خاطر مین آوے سو اُسکو کرو
که مجھ سے نه بولو خدا سے ڈرو

کہا شه نے دنیا عجب سرد ہے
پسر کا پدر کو نہین درد ہے

خدایا جہان مین محبت نہین
پدر کو پسر کی بھی شفقت نہین

پکڑ ہاتھ جب لیچلا اُس کو شاه
جوان درد سے پھیر بولا که آه

نہین کوئی دنیا مین ساتھی ہے اب
کیا باپ نے بھی کناره غضب

کہا اے شہنشاه کے کوتوال
کرون عرض مین تم سے اب اپنا حال

جو ہو حکم اک عرض پھر مین کرون
که کہتا ہون لیکن مین کہتے ڈرون

مرا اس محلے مین اک یار ہے
ہمیشه جدائی کا غمخوار ہے

جوان خوب خصلت ملکزاده نام
وه شاید که اسوقت آجائے کام

عجب کیا ہے گر ہووے ضامن مرا
که ہے ایک جان اور اک تن مرا

خبر گر مری یار پاتا کہین
تو بیشک وه سنکر کے آتا یہین

چلو مجھکو لے کر کرے گا وہ غور | کہ دنیا مین ایسا نہین کوئی اور
کہا شاہ نے سفلۂ بے خبر | ہے مان باپ سے کون کہہ زیادہ تر
پدر سے بڑا کیا ترا یار ہے | کہ دنیا مین جس کا بڑا پیار ہے
کہا باپ نے گو نہ کچھ کھایا غم | پر اس یار سے ہے اُمید کرم
گیا غور سلطان نے دل مین یہ تب | کہ دیکھین چلو دوست کو اسکے اب
پکڑ لیچلا وہ جہان یار تھا | محبت نشانی کا گھر بار تھا
وہ اک یار سوتا تھا آنند مین | دگر یار کو توال کے بند مین
یکے یار رندہ پیکے بدمست تھا | دگر یار کا بند مین دست تھا
یکے یار کا دل بغل بیچ تھا | دگر یار کا دل محل بیچ تھا
پکارا یہ جاکر وہ نکلا شتاب | لیے ہاتھ مین خنجر اور مست خواب
جو نکلا غضب مین پکارا ڈپٹ | کہ ٹک تا سنبھالے تو جاوے لپٹ
جو دیکھا تو اس کا وہ دلبند ہے | سیہ پوش کے دست مین بند ہے
ملک نے پکارا کہ اے بیخبر | نہین خوف میرا ابھی تجکو مگر
وہ بولا کہ کہہ تو ترا نام کیا | مرے یار سے کہہ ترا کام کیا
جو چاہے بھلا چھوڑ اسے نیک مرد | نہین یارون شمشیر ہووے گا گرد
کہا شاہ نے کیا ہے قدرت تجھے | لگا دے تو شمشیر مارے مجھے
مین ہون خاص اس شہر کا کوتوال | گھڑی مین جو چاہون کرون تیرا حال
پکڑ لیچلا ہون اسے قتل کو | سحر دیکھیو شاہ کے عدل کو
اگر یار کا تجکو ہے درد و غم | ضمان ہو تو فی الحال تا صبح دم

جوان مرد تھا یار ثابت قدم
کہ اے یار مت اس سے تم کچھ کہو
مگر اتنا تم کام اسدم کرو
کہا ہون مین ضامن کرو تم قبول
کہا سونپتا ہون خدا سے ڈرو
پکڑ ہاتھ اُس کا گیا اے کے گھر
بگو یار ما با تو این حال خویش
کہا شہ نے دل بیچ ہم چھپ رہین
وہ دو یار خلوت مین ہمراز تھے
بگفت اے فلان حال من گوش کن
کہا ہون مین مشتاق دخت وزیر
عجب ناز نین ہے وہ ماہ جبین
ہے وہ زلف کافر مرے دل کو مار
وہی بال مجھ دل کو زنجیر ہے
وہ آنکھین ہر اک اُسکی صیاد ہین
بھوین کج کمان یا مہ عید ہین
نگہ کو اگر اپنی ترچھی کرے
ہر اک چال سے کبک بیجان ہے
وہ رخسار رشک گل گلشنی

لگا کہنے اُس یار سے پُر الم
ادب سے ہی بولو جو ہمکو چھو و
مین چھوٹون اگر تم ضمان میری دو
کہ ضامن خدا ہے خدا کا رسول
کہ جسوقت چاہون لے حاضر کرو
لگا پوچھنے کہہ تو کیا تھا مگر
کہ اینک ترا آنچہ آمد بہ پیش
سُنین باتین آپس مین جو یہ کرین
چھپے شاہ بھی وان پہ دمساز تھے
وزنے لب بربن راز سر پوش کن
کہ جگ مین نہین کوئی اُس کا نظیر
کہون مین پری اسکو یا حور عین
کہون رشک سنبل کہ مشک تتار
مرے جی کے پھندے کی تدبیر ہے
مژہ جو ہین وہ تیر فولاد ہین
ویا روزہ دارون کی وہ عید ہین
تو سینے مین عاشق کے برچھی گڑے
کہ عاشق کا دل اسپہ قربان ہے
کہون مین پری یا کہ حور جنی

ہے سرو چمن باغ خلد برین
اگر وہ کبھی آنکھ سے سیر کرے
دل عاشق کا وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے
اگر اُس پری پر کرے ٹک نظر
اُسی سرو پر دل ہے قمری مرا
جو ہو صحن خانہ مین وہ خوش خرام
اگر جلوہ گر ہو وہ گلزار مین
مین جاتا ہون اُس پاس ہر صبح و شام
کہ جس وقت پر جا ہوا مین کھڑا
مرا اُس کا ہر دن یہی طور ہے
حقیقت مین اپنی کہی راست راست
برس چودھوین مین وہ دلبند ہے
ہے اتنی ہی الفت مجھے اُسکے سات
یہی راست بازی مین اُس سے کہا
جو ہو حکم تیرا تو اُس وقت پھر
فلانے مرے دل کو راحت تو دے
کہ جب تک نجاؤنگا مین جان یار
کہا یار نے اک ہے دہشت مجھے
کہا عشق مین جس نے ہے سر دیا

سراپا ہر اک عضو ہے نازنین
تو اُس کی نگہ سے کبھی نا پڑے
اگر اُس کی صورت نظر ٹک پڑے
تو ہو جاوے ہشیار خود بے خبر
اُسی شوخ پر دل یہ شیدا ہوا
نہ لے شمس پھر واں سے جانیکا نام
نکل بھاگین سب پھول بازار مین
فقط ہے کلام اللہ پڑھنے سے کام
اُتارا قرآن کو رحل پر دھرا
تلاوت سوا کچھ نہین اور ہے
نہین اور واللہ کچھ اُس کے سات
گویا چودھوین رات کا چند ہے
خدا جانتا ہے نہین اور بات
ہو وے گا وہی جو کرم مین لکھا
مین چڑھ کر محل پر کرون اک نظر
ملون جا کے ٹک مجکو فرصت تو دے
کرے گی بہت وہ مرا انتظار
کہ پھر نا کوئی آن روکے تجھے
ہمیشہ خوشی سے وہ جگجگ جیا

رضا دی یہ تب یار نے یار سے ؎ کہ جاکر ملو اپنے دلدار سے ؎
چلا ہو کے رخصت ادھر مرد وہ ؎ کہ رکھتا تھا سینے مین ٹک درد وہ
سیہ پوش بنکر کے بیحال ہو ؎ چلا آزمائش کو خوش حال ہو
جوان پر برہ کا بڑا جوش تھا ؎ کسی کی خبر تھی نہ کچھ ہوش تھا
شتابی سے جاکر محل پر چڑھا ؎ وہ سلطان بھی چھپکر کھڑا ہو رہا
کیا شاہ نے دل مین پھر فکر یون ؎ کہ گوشے مین چھپکر کھڑا ہو رہون
جو پہونچا وہ جاکر سر محل پر ؎ تھی سوتی پڑی اپنی وہ سیج پر
ادب سے کھڑا ہو کے کی فکر یون ؎ کہ محبوب سوتا جگاؤن مین کیون
کھڑا ہو کے رویا ندی بہ چلین ؎ جب آنسو پڑے اُس کی آنکھین کھلین
جو دیکھا کھڑا سر پہ دلدار ہے ؎ ولیکن روان چشم خونبار ہے
لگی پوچھنے اُسسے اے وفادار من ؎ بڑی دیر کیون کی بتا یہ سخن
کہ اب تک نہ آئے کہان تھے مگر ؎ حقیقت جو گذری سو اظہار کر
تری انتظاری مین یہ شب گئی ؎ ابھی نیند آئی جو مین سو گئی
مجھے تجھ بنا ایک پل سال ہے ؎ تجھے مجھ بنا کہہ کہ کیا حال ہے
بھلا تیرے رونے کا کیا طور ہے ؎ یہ زاری تری مجکو بس جور ہے
سخن سن کے فی الحال رویا جوان ؎ کیا نامرادی کا اپنی بیان
کہا کیا کہون مین جو ہے میرا حال ؎ کہ امشب کو پکڑا اب مجھے کوتوال
تب اُس سے کہا مین کہ اے نیکنام ؎ ہے اِک یار میرا ملک زادہ نام
اگر مجکو ہمراہ وان لیچلو ؎ ضمان لیکے میری خلاصی کرو

پکڑ ہاتھ مجکو لے آگے دھرا
یہ باتون کو سُنکر ہوئی بیقرار
حقیقت سُنی یار نے یار کی
جدائی کو سنکر پریشان ہوئی
کیا چاک جامہ گریبان پکڑ
پکڑ چوٹی مو کو کیا تار تار
کہ تجھ بن اکیلی مین کیسے رہون
مرے واسطے تو کسالہ سہے
مجھے رین ظالم یہ جوگن ہوئی
کہ پاپی فلک نے مجھے کیا کیا
ارے او فلک ہے بڑا بیوفا
ترے ظلم سے ہو گئی چشم کور
نہ دل جسنے باندھا دل آرام سے
محبت لگا مجکو حیران کیا
ہے صد حیف دل کو کہا بار بار
کہا یار نے اب سنو میری بات
اٹھو شمع لاؤ کہ ہوتی ہے دیر
پڑھا اُس لے قرآن جو معتاد تھی
جو جلدی سے پڑھکر کیا پھر تمام

چھٹا یار کو جب مین ضامن دیا
بھرے اشک آنکھون مین روئی وہ زار
گئی بھول جب بات سب پیار کی
سنا حال بیتاب حیران ہوئی
لگی مارنے ہاتھ بالاے سر
لگی کہنے پھر اُس سے اے گلعذار
جو ٹک مین نہ دیکھون تو کیسے جیون
غضب ہے جو جان میرے تن مین رہے
بچا نون مرے جی کی بھوگن ہوئی
مراجی لیا مجکو غمگین کیا
تجھے دردمند و بکا کب غم ہوا
مرے یار سے مجکو کرتا ہے دور
وہی جیتا ہے چین د آرام سے
مثال زلیخا پریشان کیا
رہون مین اکیلی نہو پاس یار
نہ روؤ کہ ہے آج ماتم کی رات
جو پڑھنا قرآن ہے تو پڑھ لو سویر
کہ اُسوقت باقی پہر رات تھی
پڑھا پھر نبی پر درود و سلام

پلنگ سے اُتر کر کہا ہاتھ جوڑ
کرو اب وداع مجکو ہوتی ہے دیر
اُٹھی نازنین ہاتھ جوڑے کھڑی
کہا یار میرا تو سرتاج ہے
مین آگے ترے ہون جو چاہے سو کر
کہا یہ نہ ہوگا بُرا فعل ہے
کہ ٹک جیونے کو بدی کیا کرون
ولے اک عرض ہے مری یار سے
جو اُسوقت پر دوست آوے نظر
کہا نازنین نے قسم ہے رسول
نشانی بتادے تو اپنی مجھے
کہا میری جب جا ہے سولی گڑی
کہ اُسوقت پر مجکو تیری نگاہ
گلے لگ کے روئی وہ پانون پڑی
وہان سے وہ رخصت ہوتا جز بچپا
کہ تھا قول مین راست صادق سچا
شتابی سے آیا بلا یار کون
کہا یار نے بات سچی کہی
سر اُس کا اُٹھا اپنا زانو دیا

کہ کوتوال نے مجکو پکڑا ہے چور
مرا یار میری کرے گا ادسیر
پکڑ دامن اُس کا وہ پانون پڑی
بس اب چھوڑ دی مینے سب لاج ہے
کہ ہے وقت خالی کسی سے نہ ڈر
کہ دنیا مین اب زندگی سہل ہے
نہین خلق سے تو خدا سے ڈرون
کہ کل مجکو مارین گے تلوار سے
مجھے موت کی تلخی ہووے شکر
جو تم نے کہا سو کیا مین قبول
کہ اس وقت جانون گی کیسے تجھے
مین سیاہ بانا تو ہووے کھڑی
مین سیاہ بانا و گھوڑا سیاہ
اُٹھی نازنین ہاتھ جوڑے کھڑی
گلے لگ کے رو کر وداع ہو چلا
اُسیوقت سلطان بھی گھر کو چلا
حقیقت کہی پھیر دلدار سون
بس اب سو رہو رات تھوڑی رہی
جو نیند آئی اُسکو وہ غافل ہوا

ہوئی صبح صادق جو شب سب گئی
اُٹھا شاہ اُس وقت وقت سحر
مصلے سے اوٹھکر کیا عام خاص
نظر کر جو دیکھا شہِ بے نظیر
عسس کو ہوا حکم تب شاہ کا
کہ پچھم طرف ہے محلہ بڑا
ملک زادہ نام ایک ہے وان جوان
یہ سُن کو توال اُس محلے گیا
کہا اُس سے اے نیک مرد صواب
پکڑ ہاتھ اُس کا لے آگے دھرا
تمامی محلے مین اُٹھا جو شور ہ
محل مین جو سوتا تھا تاجر بچا
دہان سے چلا اُس کورہ مین ملا
کہا مین ہون حاضر ترا چور ہون
مین ہون چور اے نیک مرد صواب
عسس کو بہت اُسپہ حیرت ہوئی
کہا دل مین اپنے خدا کیا کرون ہ
دہان تک جو ہمراہ دونون گئے
نظر شاہ نے کرکے دونونکا حال

موذن نے اُٹھکر اذان تب کہی
ہوئی اُس کے اُٹھنے کی سب کو خبر
سب ارکان دولت کھڑے گرد پاس
کہ مجرے کو حاضر ہوے سب امیر
جہان پر مین بھیجون دہان پر تو جا
دہان لوگ لیکر تو جا ہو کھڑا ہ
مرا چور ہے شب کا جا تو دہان ہ
ملک زادہ تب آن حاضر ہوا
چلون ساتھ تیرے کہ دون مین جواب
تب اُس کے محلے مین غوغا پڑا
کہ ناحق ملکزادہ پکڑا ہے چور
جگا نیند سے جب یہ غوغا سُنا
مرے یار کو تو کہان لیچلا
اسے چھوڑ دے مین ترے ساتھ ہون
چلون ساتھ تیرے کہ دون مین جواب
یہ باتین سُنین اُس کی سُدھ بدھ گئی
کسے چھوڑ جاؤن کسے لیچلون
کچہری مین شہ کی جو حاضر ہوئے
اشارت یہ کی تب سوئے کو توال

یہ تاجر بچہ چور ہے تو چڑھ
ہلاک کی خلاصی شتابی سے کر

وہان چوترے پر تھی سولی گڑی
خلق سب تماشے کو جا کر اڑی

کہا بادشہ نے اسے لیکے جاؤ
مین جب آؤن تب اسکو سولی چڑھاؤ

شتابی نکرنا اگر دیر کر
چڑھانے مین سولی کے تاخیر کر

تمامی شہر مین مچا تھا یہ شور
کہ تاجر بچہ رات پکڑا ہے چور

تماشے کی خاطر بہت بھیڑ تھی
جوان کو بنا یار کے چھیڑ تھی

موکل کو تھا دھیان تلوار کا
جوان منتظر اپنے تھا یار کا

سُنی نازنین نے جب اسکی خبر
ارادہ کیا چلنے کا پھر ادھر

کہا نازنین نے دوا کو بُلا
کہ دیکھونگی مین بھی تماشے کو جا

سجا سر پہ چیرا سیہ فام کا
دلے تھا وہ صد لاکھ کے دام کا

گیا سیاہ جامہ سیہ راہوار
منگا کر کے گھوڑا ہوئی وہ سوار

بڑا یار کا اُس نے پھر غم کیا
چلی یاد کرتی کہان ہے پیا

گئی گھوڑا دوڑا مقابل کھڑی
وہ روئی مگر چپکے شعر ین پڑھی

شعر فارسی

امروز درین شہر سیہ پوش منم
از یار جدا ماندۂ مدہوش منم

من جو شم دہن پوشم دخاموش منم
دیگے کہ بجوش آمدہ سرپوش منم

اب تو سولی ہے کھڑی سائین کے دربار
ہنست کھیلت وہ چڑھت ہین سولیکی دھار

سُنا شعر اس کا جب اُس یار نے
سنایا جواب اُسکو دلدار نے

گر دار نصیب ست مرا بر در معشوق
گر یار مرا آمدہ منظور کنند ؎
کہا دردمندی سے اُسنے یہ جب
تبسم کیا شاہ سلطان امیر
سیہ پوش صف مین کھڑا کون ہے
کہا اُس نے یہ مجکو معلوم نہ
تو بولے یہ شہ اُس سے آگے بڑھے
جو نزدیک جا دیکھا اُس کے تئین
کہا بادشہ سے نظر مین نے کی
کہا بادشہ نے نفکر مت کرو
حقیقت اُنھون کی ہے مجھپر عیان
بلایا حسن کو کہا بادشاہ
یہ بیٹا مرا ہے وہ بیٹی تری
بُلا کر کے اُن کو تسلی دیا
جو شہ نے کہا وہ کیا ہم قبول
وہ خلق اُس کی جتنی تماشا گئی
ہوئی ہر طرف سے نثار و نثار
جھا جھم مجیرے لگے بجنے دان
نگین نلچنے رنڈیان یک طرف
تا رقص کنان بر سر آن دار منم
رفتن جانم چرا انہ مسرور کنند
بجز شہ کے کوئی نہ سمجھا سبب
ادا سے لگا پوچھنے اَے وزیر
مقابل جوان کے اڑا کون ہے
ہے مخفی سخن مجکو مفہوم نہ
کہ نزدیک جا کر نظر کر ادسے
تو پہچانا گھوڑے دختر کے تئین
یہ حضرت سلامت ہے بیٹی مری ؎
کہین ہم جو تم سے وہی جا کرو
یہ عاشق ہین صادق کرونگا بیان
شتابی سے کر تو اِنھون کا نکاح
کر اَب جلد نسبت خوشی سے مری
دلہن چوم کے پھیر گودی لیا
کہ حضرت کا کہنا نہین ہے عدل
وہی خلق سب مل براتی بھئی ؎
سلامت مبارک پکارا پکار
اور مردنگ و طنبور و سارنگیان
خوشی کا ہوا شور غل ہر طرف

یہ تھا عدل سلطان محمود کا
غرض عشق صادق کا یہ تھا ظہور
نہین بد ہے عشق مجازی بھی یار
خدایا بحق نبی الکرام
خدایا کھون مین سدا خوش کلام

نکاح اُسنے اُن دونون کا کردیا
نہ سمجھو کہ یہ بات ہے اُس سے دور
یہ پُل ہے حقیقت کا اے ہوشیار
کیا شاہ رحمان نے قصہ تمام
محمد نبی پر درود و سلام

تمت

عاشق کا جنازہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تا زیست نہ گو غم دل مغموم سے نکلے
دم جبکہ اس ارمان بھرے مظلوم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
اور حلۂ جنت سے کفن بر مین پنھاؤ
کاندھونپہ فرشتو نکے اُسے رکھکے اٹھاؤ
اسطورپہ سب اہل پرستان کا گذریان
ہون سر کھلے بل کھائین لٹین خاک ہون بھریان
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
گرد اُن کے ہون طغرائی علم لاکھون سنہرے
جسپر نظر دیدۂ انجم بھی نہ ٹھہرے

یون کاش گرہ خاطر محروم سے نکلے
یہ حکم لب قاتل معصوم سے نکلے
کوثر سے منگا پانی اُسے غسل دلاؤ
شاخ شجر سدرہ سے گہوارہ بناؤ
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
نیلے جو ڈوپٹے ہون تو پشوازین ہون ہریان
گرتی ہوئی ماتم چلین صف باندھکے پریان
دارائی کے دس بیس نشان سبز ہون گہرے
ہون انمین تمامی کے وہ براق پھریرے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

کمخاب کا نگیرہ ہو مقیش کی جھالر
ستارہ زمرد کی جو سر کھینچے فلک پر
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
ے ہاتھ مین جز کوئی کرے مرثیہ خوانی
نوحہ کوئی پڑھتا ہو کوئی سوز زبانی
ہر ایک کے سینے مین اِدھر سوز نہان ہو
غمگین سر و پا برہنہ انبوہ روان ہو
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
شادی کے بھی اسباب کی ہم ہین تگ و دو مین
ہمپر بھی ہے فرض آج چلین اسکی جلو مین
جوڑے کے عوض بیاہ کے اُسکا ہو کفن سُرخ
ہم بن کے براتی کرین پیڑونسے دہن سُرخ
گر موتی کے سہرے سے مزین ہو سرھانا
ہو آج مبارک تمھین نوبت کا بجانا
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
سرسبز کہین سرو کہین لالۂ حمرا
پھولا کہین گیندا کہین چنپا کہین بیلا
روشن وہ کنول جس مین ہو کافور کی بتی
باقی نہ رہے کوئی تکلف ذری رتی

اور اُن مین طنابین ہون زرتار کی بہتر
اک خلق چپ و راست سے پھینکے زر و زیور
تابوت پہ چادر پڑی شبنم کی ہو دھانی
گل بکھرے ہون بستر پہ ہے جنت کی نشانی
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
اور دوسرے کے لب پہ ادھر شور و فغان ہو
ہو اشک فشان کوئی کوئی سینہ زنان ہو
غم کی بھی کرے رسم کوئی کہنہ دلو مین
تھا چاہنے والا یہ ہمارا کوئی سو مین
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
محتاج حنا یہ نہین سب خونسے ہے تن سرخ
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
موتی لگا کنگنا کسی تختہ سے بندھانا
ہوتا چلے شہنائیون مین راگ سہانا
آرایشونکے تخت کا کوسو نہین ہوتا نشا
حیران تماشا ہو کہین نرگس شہلا
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
پروانہ صفت شمع فلک اُنپہ ہو ستی
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

رقاص ہون اُن زہرہ جبین تخت روان پر
سب شکل ہو پریون کی مگر اُنکے نہون پر
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

گلریز کہین اور کہین مہتاب ہو چھٹتی ہے
یہ گنج ستارونکا بنفشہ کی وہ ٹٹی ہے
حورین لیے ہاتھون مین چنور لاکھون مرصع
سرپٹی اپنا چلین اور پہاڑ کے مقنع ہے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

یارب رہے تربت پہ کھلا باغ ارم کا
ہر عرس پڑھا جائے شہیدی کا یہ خمسہ
جو حسن مین طعنہ کرین حوران جنان پر
ہر ایک کی شادی کا ترانہ ہو زبان پر

ہاتھون مین لئے کوئی انار اور کوئی جوہی
ہون پتلونکے تختونکی کہین پھلجھڑی اپنی
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

میت کے چلین گرد اُٹھائے ہوئے بُرقع
خوشدل کوئی گاتی چلے باقر کا یہ مصرع
اس کشتۂ بیجرم کا قاتل ہو جو ہم سا
تعظیم مین یہ مقبرہ ہو بیت حرم سا
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

تمت

قاصد نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو ہو قاصد ترا دہلی مین جانا
کئی دن سے اُسے دیکھا نہین ہے
نہین ہے تاب خط لکھنے کی ہمکو
یہ کہنا اس مرے پیارے سے ناگاہ
چلا جاتا تھا صحرا مین بھٹکتا

خبر اُس کسیری پیارے کی لانا
کہ ہم متھرا چلے اور وہ کہین ہے
زبانی حال کہدیتا ہون تجکو
ترا عاشق ملا تھا بر سر راہ
کہ ہر جا ہر قدم پر سر پٹکتا

کبھی وہ ناتوان کھاتا تھا ٹھوکر
کبھو صحرا مین یون کہتا تھا رو کر

کہ یارب وہ مرا پیارا ملا دے
غمِ ہجران سے جلدی اَب چھڑا دے

کہون مجنون سے گر مین اس ستم کو
تو جائے بھول وہ لیلیٰ کے غم کو

کہون فرہاد سے اپنی کہانی
مرے یہ سنکے وہ شیرین زبانی

دوبارہ پھر وہ اپنے تیشہ مارے
مجھے صد آفرین کہکر پکارے

کہین مقصد بر آئے عاشق پاک
ہمیشہ غم زدہ رہتا ہے غمناک

یہ کہکر ہو چلا قاصد روانا
اُسی سے پوچھکر اُس کا ٹھکانا

گیا وہ ناگہان دہلی شہر مین
دیا ہر اک کا خط ہر اک کے گھر مین

مرا پیغام جب وہ یاد کر کے
گیا نزدیک اُس مہ رو کے گھر کے

لگا کہنے وہ اک سے اے سخنور
بتایان کیسری رہتا کہان پر

کہا اُس نے کہ اسکا ہے یہی گھر
وے گھر مین نہین ہے وہ ستمگر

یہان دم لیکے کچھ آرام کر لے
تو آیا جس لیے وہ کام کر لے

یہی قاصد سے اُسکی گفتگو تھی
وہ آیا آپ جس کی جستجو تھی

لگا کہنے وہ منھ سے دے کے دشنام
بتا تو کون ہے کس کا ہے پیغام

کہا قاصد نے مین تو بیگنہ ہون
زبانی تیرے عاشق کی سناؤن

مجھے پیغام اُس نے یہ دیا ہے
کہ جس کا تو نے ٹکڑے دل کیا ہے

اُسے سب یار سمجھاتے ہین ہر دم
یہان تو کس لئے کھاتا ہے یہ غم

مگر دیگا جو فرصت دور تجھکو
ملیگا کوئی پریزاد اور تجھکو

یہ سنکر وہ لگا کہنے پیارا
ہوا تھا کس لئے عاشق ہمارا

اکیلا جو اگر اُسکو مین پاؤن
مزہ اِس چاہ کا اُسکو چکھاؤن

بھلا رسوا کیا دہلی شہر مین
گلی کوچے مین اور بازار گھر مین

بس اے حیدر تو غم دل سے اُٹھا دے
نیا مضمون اور پڑھکر سُنا دے

غم صیاد و فکر باغبان ہے
دو عملے مین ہمارا آشیان ہے

ہنس نامہ میان نظیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیا تھا کسی شہر مین اک ہنس بچارا
اک پیڑ پہ صحرا کے کیا اُس نے گذارا

رہتے تھے بہت جانور اُس پیڑ کے اوپر
اُسنے بھی کسی شاخ پہ گھر اپنا سنوارا

دیکھا جو طیورون نے اُسے حسن مین خوشرنگ
وہ ہنس لگا سبکی نگاہون مین پیارا

باز و لگڑ و باشہ و شاہین ہوئے عاشق
شکرون نے شکر سے کیا پھر اُسکا مدارا

زاغ و زغن و طوطی و طاؤس کبوتر
سب کرنے لگے اُس سے محبت کا اشارا

کچھ لال چڑے پودنے پدے تھے عاشق
بدڑی بھی سمجھتی تھی اُسے آنکھ کا تارا

جتنے تھے غرض جانور اُس پیڑ کے اوپر
اُن سب نے محبت مین دل اس ہنس سے ہارا

صحبت جو ہوئی ہنس مین اور جانورون مین
یکچند ہوا خوب محبت کا گذارا

اُس ہنس کو جب ہوگئے دو چار مہینے
ایک روز وہ یارون کی طرف کہکے پکارا

لو یارو ہم اب چلتے ہین کل اپنے وطن کو
یہ پیڑ مبارک رہے اب تم کو تمھارا

اس بات کے سنتے ہی جو ہر اک کے اُڑے ہوش
بولے کہ یہ فرقت نہین اب ہم کو گوارا

ہم جتنے ہین سب ساتھ تمھارے ہی چلین گے
یہ درد تو اب ہم سے نجائیگا سنبھارا

اتنے مین جو شب سحر کی ہوئی صبح نمودار
سب ساتھ اوڑے اُسکے جو تھے یار ہوا خواہ
کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اوڑے کوس
دس کوس اوڑے تھے جو ہوئی ماندگی غالب
کوئی یان رہا کوئی وان رہا کوئی رہگیا ناچار
چیلین گرین کوے گرے اور باز تھکے تھے
سب بیٹھ رہے ساتھ کے ساتھی جو نظیر آہ

پر اپنا ہوا پر جو ہین اس ہنس نے مارا
ہر ایک نے اوڑنے کے لئے پنکھ پسارا
کوئی آٹھ کوئی نو کوئی دس کوس پہ ہارا
پھر پیر مین کسی کے نرہا قوت و یارا
کوئی اور اوڑا ان مین جو تھا سب سے گرارا
اس پہلی ہی منزل مین کیا سب نے کنارا
آخر کے تئین ہنس اکیلا ہی سدھارا

تندرستی نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہین مرد اب وہی کہ جنھون کا ہے فن درست
رہتا نہین کسیکا سدا مال و دھن درست
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست
دنیا مین اب اُنھون کے تئین کہئے بادشاہ
جس پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست
جو گھر مین اپنے میری وہ عصمت پناہی ہے
یہ تندرستی یار تری بادشاہی ہے

حرمت اُنھون کیواسطے جنکا چلن درست
دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست
جنکے بدن درست ہین و نرات سال وماہ
ایسی پھر اور کونسی دولت ہے واہ واہ
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست
بن تندرستی سب وہ خرابی تباہی ہے
سچ پوچھئے تو عین یہ فضل الٰہی ہے

جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست
گر دولتون سے اُس کا بھرا ہے تمام گھر
ہو تندرست گرچہ یہ مفلس ہے سر بسر
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست
عاجز ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو
قیدی ہو یا اسیر ہو پر تندرست ہو
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست
اِس مین تمام ختم ہین عالم کی خوبیان
قسمت سے جب یہ دونون میسر ہون پھر تو ہان
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست
پروا نہین اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو
حسن و جمال و علم و ہنر گو ملا نہ ہو
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست
بیمار گرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ
ہم تو اُسی کو شاہ کہین اور جہان پناہ
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست
ہووین گرچہ لاکھون دولتین بیمار کے گنے
بہتر ہین مفلسی کے میان چابنے چنے
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست
بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر
پھر نہ کسیکا خوف نہ ہرگز کسیکا ڈر
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست
بے زر ہو یا امیر ہو پر تندرست ہو
مفلس ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست
ہو تندرستی اور ملے حرمت سے آب و نان
پھر ایسی اور کونسی نعمت ہے میری جان
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست
محتاج حق سوا یہ کسی اور کا نہو
اک تندرستی چاہیئے کچھ ہووے یا نہ ہو
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست
تو اُسکو جانیے یہ گدا سے بھی ہے تباہ
اب جو کہ تندرست ہو حرمت سے ہو نباہ
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست
اور نعمتون کے ڈھیر لگے ہون بنے ٹھنے
جو تندرست ہین وہی دولہا ہین اور بنے
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تن درستیونکی رہین دل مین بستیان
کھانیکو نعمتین ہون دیا فاقہ مستیان
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست

چاہا جو دل نشے کو تو وہین منگا لیا
آیا جو عیش دل مین خوشی سے اوڑا لیا
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست

آیا جو دل مین سیر چمن کو چلے گئے
بیٹھے اُٹھے خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل
گر ہو خدا نخواستہ اک کل بھی چل بچل
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست

ادنےٰ ہو یا غریب تو انگر ہو یا فقیر
ہے سبکو تندرستی و حرمت ہی دلپذیر
جتنے سخن ہین سب مین یہی ہے سخن درست

پھر سو طرح کے عیش ہین اور مے پرستیان
سب عیش اور مزے ہین جو ہون تندرستیان
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

محبوب دلبرون کو گلے سے لگا لیا
جو ملگیا سو لے لیا چاہا سو کھا لیا
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بازار چوک سیر تماشون مین خوش رہے
جاگے مزے مین رات کو یا خوش ہو سو رہے
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جبتک یہ کل بنی ہے جبھی تک بڑے ہے کل
پھر یہ خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا پھل
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

یا بادشاہ شہر کا یا ملک کا وزیر
جو تونے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیر
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

دکھ سکھ نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دکھ کی دولت ہو تو اسکو بھی تباہی بوجھئے
سکھ سے رہنا خلق مین خوش دستگاہی بوجھئے

روشنی کو غم کی ہر جا اک سیاہی بوجھئے
صحت و حرمت کو نت حشمت پناہی بوجھئے

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بوجھئے
آبرو سے جگ مین رہنا بادشاہی بوجھئے

صحت و حرمت سے گر اللہ یہان کرے نباہ
اس برابر کونسا ہے پھر جہان مین عز و جاہ

اب جو ہم اسبات کے رتبے کو کرتے ہین نگاہ
کیا کسی عاقل نے یہ نکتہ کہا ہے واہ واہ

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بوجھئے
آبرو سے جگ مین رہنا بادشاہی بوجھئے

اسکے سب محتاج ہین اب شاہ سے لے تا گدا
جس سے تن سالم رہے اور پیٹ حرمت سے بھرا

آبرو اور تندرستی جسکو حق نے کی عطا
پھر جہانمین اوس سا یارو کونسا ہے بادشا

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بوجھئے
آبرو سے جگ مین رہنا بادشاہی بوجھئے

دولتین جتنی ہین سب ان دولتونسے ہین ملے
آبرو اللہ رکھے اور حرمت سے کٹے

عزت و حرمت بڑی دولت ہے اللہ سبکو دے
ہر گھڑی ہر آن ہر دم خلق مین سارے مزے

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بوجھئے
آبرو سے جگ مین رہنا بادشاہی بوجھئے

آبرو دنیا مین یارو موتی کی سی آب ہے
تندرستی اور بھی پھر عیش کا اسباب ہے

جس کنے ہین یہ اسیکا سب ادب آداب ہے
یہ نہین تو زندگی پھر اک خیال و خواب ہے

تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بوجھئے
آبرو سے جگ مین رہنا بادشاہی بوجھئے

ہین جہانتک خلق مین پیر و جوان خرد و کبیر
عالم و فاضل گدا و بادشہ میر و وزیر

کیا تو انگر کیا غنی کیا بنیوا اور کیا فقیر	سب جہان نہین ہین اسی نکتہ کے قائل اے نظیر
تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بوجھئے	آبرو سے جگ مین رہنا بادشاہی بوجھئے

دولت نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زر کی جو محبت تجھے پڑ جائیگی بابا
دکھ اس مین تری روح بہت پائیگی بابا
ہر کھانے کو ہر پینے کو ترسائیگی بابا
دولت جو تری یان ہے نہ کام آئیگی بابا
پھر کیا تجھے اللہ سے ملوائیگی بابا

کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ مین خیرات
دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات
اور یان بھی تری گذریگی سو عیش سے اوقات
دینے سے اسی کے ترا ادبار رہیگا ہات
اور وان بھی تجھے سیر یہ دکھلائیگی بابا

دولت کی یہی خوبی ہے سو نعمتین کھا ڈال
کمخواب پہن بادلہ اور اوڑھ بنا ڈال
باغ و چمن و حوض و عمارت کو بنا ڈال
اکدم تو بھلا خلق مین دریا سا بہا ڈال
پھر ورنہ تجھے سیر یہ دکھلائیگی بابا

چڑھتی ہے پہاڑون کے اوپر ناو سخی کی
داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہین رہتی
تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آویگی سختی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اسے کی
خشکی مین تری ناو یہ ڈبوائیگی بابا

دولت جو ترے گھر مین ابھی پھولی ہے جون پھول
مردود بھی کر دیتی ہے اور کرتی ہے مقبول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یا نسے یہ مجھول
زنہار خبردار رہو اس بات پہ مت بھول
یہ خندی ترے ساتھ نہین جائیگی بابا

آج اُسکی بغل مین ہے تو کل اُسکی بغل مین
یہ رنڈی پُرانی ہے نہ آسکی تو چھل مین
ٹھنڈک نہین پڑتی ہی کبھی اسکے تو چل مین

اب تن سے تری جان نکل جائیگی پل مین
گر نیک کھانا ہے تو کریان یہ کچھ احسان
کھاتو بھی اسے شوق سے اور عیش پہ رکھ دھیان
اک روز تجھے خندی یہ کھا جائیگی بابا
بیٹونکو رفیقون کو عزیزون کو کھلا جا
پھر شوق سے ہنستا ہوا جنت کو چلا جا
گر آویگا حاکم کوئی ظالم تو مری جان
جب کھینچ بلائیگا لگا کر کوئی طوفان
یہ دوست ہی دشمن تری ہو جائیگی بابا
کوئی کہیگا تو بڑا منہ اسکے یہ چڑھوا
سو دولت دخواری سے تجھے کر کے یہ رسوا
اور جو کبھی حاکم نے نہ پوچھا ترا احوال
گاڑے گا زمین بیچ تو پھر ہوویگا یہ حال
پھر نیچے ہی نیچے یہ سرک جائیگی بابا
جو اور سے کرتی رہی وہ تجھ سے کرے گی
جبتک تو جئے گا تجھے یہ چین نہ دیگی
جب موت کا ہوویگا تجھے آن کے دھڑکا
جب اُسمین جو اٹکے گا نہ دم نکلیگا پھڑکا
تب تن سے تری روح نکل جائیگی بابا

تو جا دیگا اور یہ یہین رہ جائیگی بابا
ہندو کو کھلا پوری مسلمان کو کھلا نان
تو اسکو نکھاویگا تو یہ بات یقین جان
اس سے یہی بہتر ہے تو ہی آپ اسے کھا جا
سب روبرو اپنے اسے عشرت مین اوڑا جا
ورنہ تجھے ہر دُکھ مین یہ پھنسوائیگی بابا
اور تیری سُنے گا وہ بخیلی سکی گذریان
تو جیسے جسے دوست سمجھتا ہے یہ ہر آن
کوئی کہیگا اس کے تیلین باندھکے لٹکا
کوئی کہیگا کپڑے بھی سب اسکے اتروا
بندھوائیگی اور مار بھی کھلوائیگی بابا
تو چور چُرالیویگا یا ڈاکہ کوئی ڈال
قسمت سے تری جب کبھی آجاویگا بھونچال
یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی
کچھ شک نہین اسمین یہ بہت خوار کریگی
اور مرتے ہوئے پھر یہ غضب لائیگی بابا
اور نزع ترا آن کے دم دیویگی پھڑکا
کیونہین روپے ڈالکے جب یوین گے کھڑکا
تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا

ہے یہ یقین آخرش اکدن تو مرے گا
وہ ناچ مزا دیکھے گا اور عیش کرے گا
اُسکے تو وہان ڈھولک و مرزنگ بجے گی
وہ کھا دیگا اور تیرے تئین آگ لگے گی
ایسا ہی تجھے گور مین تڑپائیگی بابا

تو قبر مین رہ رہ کف افسوس ملیگا
بے بس تو پڑا قبر مین حسرت سے جلیگا
جا دیگا تری گور کی جانب جو وہ ناگاہ
رونا مجھے آتا ہے ترے حال پہ واللہ
کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہرائیگی بابا

تو وان بھی ترے واسطے عامل کوئی بلوا
یا خوب سا اُسلگا کے کوئی ہار فتیلا
گر ہوش ہے تجھ مین تو بخیلی کا نکر کام
تھوکیگا کوئی کھکے کوئی دیویگا دشنام
پیزارین ترے نام پہ لگوائیگی بابا

گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹھ تو مت جان
جیسا کہ اُسے اوسنے کیا خوب پریشان

پھر بعد ترے اُسپہ جو کوئی ہاتھ دھریگا
اور روح تری قبر مین چلائیگی بابا

اور روح تری قبر مین حسرت سے مریگی
تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی
جون جون وہ ترے مال سے عشرتین ملیگا
جو چاہے کوئی بولے تو پھر بس نہ چلے گا
دن رات تری چھاتی کو کٹوائیگی بابا

ساقی بصراحی و پریزاد کے ہمراہ
جب دیکھیگا سو عیش مین تو اُسکے تئین واہ
تو بھوت ہو چھاتی پہ اگر آن چڑھے گا
شیشے مین اتروا کے تجھے دیوینگے گڑوا
دھونی بھی تری ناک مین دلوائیگی بابا

اس کام کا آخر کو برا ہوتا ہے انجام
زنہار نہ لیگا کوئی ہر صبح ترا نام ہا
کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتین تجھے ہر آن
ٹک غور سے کر گنج پہ قارون کے ذرا دھیان
ویسا ہی مزا تجھکو بھی دکھلائیگی بابا

تمت

بھونچال نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بھونچال کا جو حق نے یہ نقشہ دکھا دیا
قدرت کا اپنی زور جہان کو دکھا دیا
روشن دلون کے نور نظر کو بڑھا دیا
غفلت زدونکو مار کے ٹھوکر جگا دیا
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

جن منکرون کو نوح کے طوفان کا شبہہ تھا
اور دوزخ و بہشت سمجھتے تھے تو تیا
قائل نہ قبر کے تھے نہ خطرا تھا حشر کا
اک زلزلے نے سب کے دئے وسوسے مٹا
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

سنہ بارہ سو اٹھارہ مین یہ واردات تھی
اول جمادی بارھوین تاریخ سات تھی
دن بدھ کا جمعرات کی وہ آدھی رات تھی
بھونچال کیا تھا قدرت حق کی یہ بات تھی
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

تھی آدھی رات جو ہوا بھونچال کا گذر
پتا سا تھرتھرا گیا پتال کا جگر
ساتون طبق کے ہل گئے اسکان سر بسر
در بولے الحفیظ تو دیوارین الحذر
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

اجزاے ارض قاف سے تا قاف ہل پڑے
اجگر اٹل اجل کے کلیجے نکل پڑے
انسان گھرون مین دشت مین وحشی نکل پڑے
طائر بھی آشیانون مین اپنے اوچھل پڑے
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

گڈھ قلعہ کوٹ روئے زمین ڈہل گئے
سنگین مکان محل جو نئے تھے سو کھل گئے
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

باہم کواڑے چل اُٹھے زنجیرین ہل اوٹھین
دیوارین جھوم جھوم کے پنکھے سبی چل اٹھین
دریا و کوہ شہر و جنگل سب ہلا دیا

گھر گھر مین شور ہو گیا اور غل گلی گلی
کوئی اللہ اللہ کہہ اٹھا کوئی رام رام جی
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

لرزین آکے ڈالیان نخلون کی ہل گئین
تھرا کے گاو ماہی کی چولین اوس گئین
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

جو ارض سب جہان کے بوجھو نکے تئین سہے
جنات دیو شیر و شتر فیل اژدہے
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

قدرت کی تیغ کی ہے یہ کچھ آب دردری
دارائی کام آئی نہ کچھ یان سکندری
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

بھونچال کی دھمک کا وہ سنتی ہی کھڑکھڑا

کپنے لگے برج کنگورے بھی ہل گئے
اینٹو نکے زہرے پھٹ گئے پتھر پگھل گئے
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

کڑیان کڑاک کڑاک کے چھتون سے نکل گئین
چھجے ستون کانپتے منڈیرین بھی ڈھل گئین
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

روے زمین پہ پڑ گئی اکدم مین کھلبلی
کوئی یا حسین کہہ اُٹھا کوئی یا علی علی
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

دہشت سے چل بچل ہو جڑین بھی کچل گئین
جل تھل کے ہوش اوڑ گئے رگین نکل گئین
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

جب وہ بھی تھر تھرا گئی پھر ہم کہان رہے
اک ہو مین سبکی تنگی غرض کھل گئے اچھے
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

کھنچتے ہی سب کے پڑ گئی سینون مین تھرتھری
اک دم مین تھرتھرا گئی سب خشکی اور تری
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

جی دھکے سے تن مین ٹڑ گیا اور دم نکل چلا

اور اونکے دل کی کیا کہون جانے وہی خدا
دریا و کوہ شہر و جنگل سب ہلا دیا
آنکھونسے میری اُس گھڑی آنسو عجب چلے
تحت الثریٰ کی سیر کو ہم سب کے سب چلے
دریا و کوہ شہر و جنگل سب ہلا دیا
ہیبت کے مارے پہلے تو دل ہو گیا دو نیم
یہ قدر تونکی شان کی اَب دیکھ اُمید و بیم
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
بھونچال مین کہان تھا یہ نقشہ مجال کا
اک پل مین یون بڑھا دیا شعلہ جلال کا
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
بھونچال کا تو کہنے کی خاطر ہی نام تھا
احکام ذوالمنن کا جہان اہتمام تھا
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
تھین جتنی جتنی اصل زمین کی سمائیان
بھونچال نے یہ جیسی ہوائین دکھائیان
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
دست قضا کی انگلی کی چھوٹی یہ پور ہے
سو ورجہ اس سے اسکی تو قدرت مین زور ہے

پر مین تو جانا صور سرافیل پُھک گیا
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
گذرا یہ جی مین ہائے ہوا کیا غضب چلے
دل مین یہی یقین ہوا یعنی بس اَب چلے
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
جب تھم گیا تو ہو گیا پھر وو ہین مستقیم
سر کو جھکا کے جی نے کہا وو ہین یا کریم
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
سب حکم تھا یہ حضرت ایزد تعال کا
اک دم مین پھر گھٹا دیا نقشہ خیال کا
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
یہ شور زور اور کا قدرت کا نام تھا
یہ زلزلہ وہانکا اک ادنیٰ غلام تھا
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
اک زلزلہ نے سب وہ پکڑ کر ہلائیان
دیسی ہزار اُن کی ہین قدرت نمائیان
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
ہلنے سے جسکے کانپا ہر اک مار و مور ہے
بھونچال کا تو یار دیہ ادنیٰ سا شور ہے

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
جیساکہ اُسکے حکم کا آیا تھا زلزلہ
ایسا ہی گروہ حکم سے اپنے نہ روکتا
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
بھونچال کے تو ہمکو خیالات خام تھے
تھا ڈول تو وہی کہ نہ خاص اور عام تھے
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
سجدہ کرو خدا کے تئین بار و دمبدم
باقی نہ کچھ رہا نہ تھا پھر تھم گئے قدم
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
بھونچال کیا وہ چاہے تو اک پل کے مارتے
اوڑنے لگے پہاڑ روئی کی طرح پڑے
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
کہتے ہیں یون حکیم کہ بھرتی ہے سب ہوا
خالق کا بھید ہے یہ کسی پر نہین کھلا
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
محکوم سب ہین اُسکے ہی حاکم وہی اکہ
جب اُسکا حکم آوے تو ہو کون سدراہ
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا

اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
کانپی تمام روے زمین جس سے تھر تھرا
پھر کچھ نتھا جہان مین فقط پانی پانی تھا
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
یہ چھوڑنے یہ روکنے قدرت کے کام تھے
رحم آگیا وگرنہ وہین سب تمام تھے
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
آخر کریم تھا تو کیا اُس نے پھر کرم
ورنہ ابھی گھڑی مین نہ پھر تم تھے اور نہ ہم
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
کر ڈالے آسمان و زمین کو اوپر تلے
قادر کریم دم مین جو کچھ چاہے سو کرے
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
آتا ہے اُس سے روے زمین پر یہ زلزلہ
ہم تو اسی کے حکم کا جانے ہین دبدبا
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا
تابع ہین جسکے امر کے ماہی سے تا بماہ
کیا حکم ہے عزیز و ذرا دیکھو واہ واہ
اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

حاکم وہی حکیم وہی حق وہی کبیر — خالق وہی خدا وہی دانا وہی قدیر
مالک وہی ملک وہی قادر وہی قدیر — قدرت کا اُس کی ایک یہ شمہ تھا اے نظیر
دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا — اک آن مین ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

تمت

رنگین نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ رنگ کہین لعل بدخشان مین آیا — نیلم مین کہین گوہر غلطان مین آیا
یاقوت مین الماس مین مرجان مین آیا — جب حسن ازل پردۂ امکان مین آیا
بیرنگ بہ ہزرنگ ہر اک شان مین آیا — بو ہو کے ہر اک پھول کی پتی مین بسایا
موتی مین ہو آب ستارون مین ضیا ہے — تنہا نہ ہمارے ہی وہ شہرگ سے ملا ہے
نزدیک ہے وہ سب سے جہان اوس سے بنا ہے — جب چشم کھلی دل کی تو پہچان مین آیا
کیا قمری دل سوختہ کیا بلبل نالان — کیا باغ چمن تختہ کا کیا زیر خیابان
سب ملکے یہی بات پکارین ہین ہر آن — گل بھی وہی سنبل وہی نرگس وہی ریحان
اپنے ہی تماشے کو گلستان مین آیا — کیا ارض و سما حور و ملک دیو پری جن
کیا وحشی و طائر نہین اک دم کوئی اُس بن — ہر بات یہی بات یہی ذکر ہے ہر چھن
اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن — مذکور یہی آیت قرآن مین آیا
پانی سے کہین خاک کا پتلا وہ ہوا ہے — یا روح بن باس خاک کے پتلے مین کسا ہے

آپہی تو بنا یاہے اور آپہی وہ بناہے
حرمت سے ملائک نے اُسے سجدہ کیاہے
جسوقت کہ وہ صورت انسان مین آیا
آگر کہین دیتاہے وہ سینہ مین لگا آگ
اور حال کہین کرتاہے لامنہ کی اُپر جھاگ
جو اُسکے شناسا ہین یہی کہتے ہین بے لاگ
مطرب وہی آواز وہی ساز وہی راگ
ہر تار مین بولا وہ ہر اک تان مین آیا
کیا چینیؔ کیا پستئی کیا اخضر و احمر
کیا سوسنی کیا شمشی کیا ابیض و اصفر
اب مثل نظیر اس چمن دہر کے اندر
بے رنگ کے رنگونکو ذرا دیکھ لے اصغر
سو طرح سے عالم کے خیابان مین آیا

الحمد للہ و المنة کہ کتاب چار باغ رنگین در مطبع منشی نول کشور بمقام لکھنؤ
بایمائے جناب منشی بشن نرائن صاحب دام اقبالہ بماہ جنوری ١٩٢١ء چھپی



[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]



سری بھگوان کی فضل سے
یہ مقبول جہان پوتھی

جسکے پاٹ کرنے سے انسان کی تمنا برآتی ہے

موسوم بہ

ہنومان چالیسا

مصنفہ

منشی رام سہائے صاحب تمنا ساکن محلۂ نوبستہ
شہر لکھنؤ

مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ
مین بہ حسن و خوبی چھپکر شایع ہوئی

(باہتمام [illegible] سپرنٹنڈنٹ) قیمت فی جلد [illegible]

سری گنیش آنیمہ

مہادیو و برہما و بھگوان کی جے — سری گور کی شوکت اور شان کی جے
سری رام و سیتا کے استھان کی جے — سری لچھمن و بھرت کے گیان کی جے

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

ہنومان جی کا رہے نام لب پر — کہ ہے جنکا فضلِ جہانگیر سب پر
رہے خامہ کی نوک حدِ ادب پر — فدا دل ہو سب کا بیان طرب پر

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

مہابیر ہیں سرپرستِ زمانہ — عیاں جن کی عظمت کا ہی کارخانہ
کرم اُن کا خلقت پہ ہی جاودانہ — ہو وردِ زبانِ جہاں یہ ترانہ

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

پون سُت وہی انجنی سُت وہی ہیں
جو یکتائے عالم مہابیر جی ہیں
بہارِ گلِ گلشنِ پرتھوی ہیں
سخی ہیں ذکی ہیں گُنی ہیں بلی ہیں

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

بلا آپ کے نام اقدس سے رد ہے
جو ذات آپ کی واقف نیک و بد ہے
سروپ آپ کا نورِ چشمِ خرد ہے
کرم کیجیے مجھ پہ وقتِ مدد ہے

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

نہاں کارخانے کہاں آپ کے ہیں
خیالات دل میں جہاں آ چکے ہیں
شری رام خود مدح خواں آپ کے ہیں
تو جلوے نظر میں عیاں آپ کے ہیں

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

جو سُگریو پر آپ نے کی عنایت
دلِ پاک میں تھی صفائی نہایت
تو بھولا وہ رنج و الم کی حکایت
کسی کو نہ باقی رہی کچھ شکایت

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

جو تھا جستجوئے سیا جی کا ساماں
فقط آپ ہی ایسے تھے مردِ میداں
ہوئے جامونت اور انگد پشیماں
کہ اُترے سمندر سے باشوکت و شاں

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

سمندر کیا طے جو لنکا کو دیکھا
نظر سے جو انبوہِ اعدا کو دیکھا
مکانات و باغات زیبا کو دیکھا
تو راون کی فوجِ توانا کو دیکھا

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

جو سرسا پئے امتحاں پاس آئی — ہوئی مائل زور و جنگ آزمائی
تو شکل آپ نے اُسکو ایسی دکھائی — کہ سرسا کو تابِ اقامت نہ آئی

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

جو سرکش مقابل ہوا اُس کو مارا — لڑا آ کے جو بدگہر جی سے ہارا
ہے دنیا میں زور آپ کا آشکارا — اُنھیں کا ہے مجھ ناتواں کو سہارا

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

کیا دورۂ قصرِ لنکا بصد شاں — کہ تھی عین حیرت میں چشمِ نگہباں
بھبھیکھن کے گھر تک جو جا پہونچے شاداں — تو وہ ہو گیا ایسی آمد سے حیراں

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

بھبھیکھن کو جب طالبِ رام پایا — تو نام و نشانِ مبارک بتایا
پتا جب سیا جی کا اُس سے لگایا — تو آگے کو اپنا قدم پھر بڑھایا

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

نہ تھی قربِ راون جو گردِ کدورت — سوئے باغ لنکا گئے بو کی صورت
جو تھی سُبھ لگن اور سُبھل تھی مہورت — تو آئی نظر جانکی جی کی مورت

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

شجر پہ ثمر کی طرح جلوہ گر تھے — نگہبان اس حال سے بے خبر تھے

جو مطلب کے سامان پیش نظر تھے | وہ مداح رگھناتھ جی سر بسر تھے

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۱۶ سری جانکی نے جو یہ طور دیکھا | سو نخل تازہ بصد غور دیکھا
ہنومان نے بھی جو فی الفور دیکھا | تو دیوی نے وہ طرز ہی اور دیکھا

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۱۷ ہنومان جی صاف اُترے شجر سے | ہوئے جبہہ سائے سیا چشم و سر سے
وہ بولیں کہ آئے کہاں اور کدھر سے | یہ بولے کہ آئے ہیں ہم حکم ہر سے

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۱۸ جو دیکھا سری جانکی جی کو غمگیں | وہ انگشتری رام کی دی بہ تمکیں
سیا جی بھی نقش نگیں پڑھ کے بولیں | کہ تم قاصد رام ہو صاحب دیں

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۱۹ ہوئے واں سے رخصت تو گلشن میں آئے | ثمر تازہ و خوب چن چن کے کھائے
درخت اونچے اونچے جو توڑے گرائے | تو سب لے اچھش ڈر گئے تلملائے

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۲۰ مقابل ہوئے فتنہ گر آ کے ان سے | ہوئے پست سب منہ کی کھا کھا کے ان سے
جو بھاگے ستمگر سزا پا گئے ان سے | لڑا پھر نہ کوئی بھی شرما گئے ان سے

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۲۱ جو راون کے فرزند نے کی شرارت
اچھے کی نہ کس طرح ہوتی حقارت
تو صاف آگئی آپ کو بھی حرارت
ہوا دستِ اقدس سے دم بھر میں غارت

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۲۲ جو پھر میگھ ناد آیا ان کے مقابل
شرارت پہ مائل جو تھے سارے جاہل
ہوئے برہم کی پھانس میں آپ داخل
انھیں کا جلا آتشِ کینہ سے دل

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۲۳ لگی آگ دُم میں تو اُٹھے وہ جل کر
بچایا جو قصرِ بھبھیکھن سنبھل کر
جلا ڈالی سونے کی لنکا اُچھل کر
تو حاسد جلے دستِ افسوس مل کر

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۲۴ سمندر نے خود آپ کی دُم بجھائی
وہاں سے چلے آئے با صد صفائی
تو پھر آتشِ تیز نے منھ کی کھائی
سری رام و لچھمن کی کی جبہہ سائی

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۲۵ نشانی سیا جی کی دکھلائی لا کر
ہوئے رام خوش نقدِ امید پا کر
سب احوالِ لنکا کہا سر جھکا کر
دعا آپ کو دی گلے سے لگا کر

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۲۶ نہ کیوں آپ کا نام نامی ہو روشن
ڈرے کیوں نہ اس نام سے فوجِ راون
کہ ہیں خیر خواہ سری رام و لچھمن
ہوئے تختِ لنکا کے وارث بھبھیکھن

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۲۷ پڑا بان شکتی کا جس دم لکھن پر
زمیں کانپی غل ہو گیا چرخِ کہن پر
اُداسی سی چھائی رُخِ انجمن پر
تو صدمہ ہوا خاطرِ صف شکن پر

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۲۸ نشانِ منازل ببھیکھن سے پا کر
بھرت جی کو بھی راہ میں آزما کر
یہی بید لنکا کا لائے اُٹھا کر
سجیون کا پربت اُٹھا لائے جا کر

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۲۹ عیاں خود ہیں جلوے کرم گستری کے
سب آثار ظاہر سے ہیں برتری کے
دلیری کے جرأت کے چابکتری کے
ملیں پھل جو ہوں درشن ایسے جری کے

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۳۰ پریت آپ کے نام سے بھاگ جائے
جو ہو اُن کا خادم وہ راحت اُٹھائے
نہ بھوت اور بلا کوئی قربت میں آئے
زباں پر یہی نام ہر وقت لائے

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۳۱ یہ وہ ذات ہے جسکی عظمت بڑی ہے
یہ وہ فکر ہے جسکی شوکت بڑی ہے
یہ وہ بات ہے جسکی شہرت بڑی ہے
یہ وہ ذکر ہے جسکی حشمت بڑی ہے

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

۳۲ یہی انجنی کے ہیں آنکھوں کے تارے
یہی رام دیتا و لچھمن کے پیارے

تہِ دل سے ہم بھی ہیں خادم تمھارے	ادھر بھی ذرا ہوں کرم کے اشارے
ہنومان کی جے ہنومان کی جے	
۳۳ سدا شیو سری کشن سنکادو برہما	سری اندر سورج سری رام و سیتا
یہ سب ہیں بہی خواہ و مداح والا	نہ پھر کیوں ہو ذات ایسی دنیا میں یکتا
ہنومان کی جے ہنومان کی جے	
۳۴ تنِ زار کو زور و قوت یہ بخشیں	زبان قلم کو بلاغت یہ بخشیں
دلِ خاکساراں کو ہمت یہ بخشیں	غریبوں کو اسباب دولت یہ بخشیں
ہنومان کی جے ہنومان کی جے	
۳۵ یہی آرزومند کو شاد کر دیں	یہی نشکر بنیاد اولاد کر دیں
یہی قیدِ کلفت سے آزاد کر دیں	یہی دل کا ویرانہ آباد کر دیں
ہنومان کی جے ہنومان کی جے	
۳۶ نہیں منتر سے کم ہے یہ نام والا	بدل خوش ہے انکی ثنا کرنے والا
ہوا وہ ہی انسان ادنیٰ سے اعلیٰ	کہ جس نے زباں سے یہ مصرع نکالا
ہنومان کی جے ہنومان کی جے	
۳۷ ہے کیا فصل اچھی کہ آئی نئی رُت	ہنومان جی کی یہ لیلا ہے ادبھت
اسی نام کی میں بھی کرتا ہوں اُستت	پون سُت پون سُت پون سُت پون سُت
ہنومان کی جے ہنومان کی جے	

جو کوئی یہ استت پڑھے یا سنائے
تو آرام سے لطف و راحت اٹھائے
تمنا جو ہو اس کے دل کی بر آئے
اسی نام سے شمع ساں لو لگائے

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

کرے گا جو ہر روز پاٹ اسکا شائق
تو ہو جائے گا نامدار خلائق
ہنومان کا گیان ہے سب پہ فائق
یہی دھیان ہر دل میں رکھنے کے لائق

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

تمنا کی بھی ہر تمنا ہو پوری
رہے قربت رنج و کلفت سے دوری
ہو اعزاز درشن سے دل کو صبوری
سر دست ہاتھ آئے نقد حضوری

ہنومان کی جے ہنومان کی جے

سماپت شد

استت سری گنیش جی

نام گنیش راحت افزائے روح و جاں ہے
نام گنیش ہر دم ورد لب و زباں ہے
اس نام کی تمنا کیونکر نہ ہو تمنا
ہر دیوتا اسی کا سو دل سے مدح خواں ہے

استت سری رام جی

بھروسا جسے ہے سری رام جی کا
مزہ لوٹتا ہے وہی زندگی کا

تمنا تمنائے خالق جسے ہے | وہ محتاج ہرگز نہیں ہے کسی کا

استت سری جانکی جی

جانکی جی سے ہوئی جان کی جے | گیان کی دھیان کی ارمان کی جے
نادرِ خلق تمنا ہیں وہی | جو کہا کرتے ہیں بھگوان کی جے

استت بشن جی

جو بشن کا نام لے رہا ہے | دانائی سے کام لے رہا ہے
جو بشن کا رام ہے تمنا | نقد آرام لے رہا ہے

استت سری پچھمن جی

پچھمین جی ہیں معین عالم | ہے فلک جن سے زمینِ عالم
شکست سے کب ہے کوئی گھر خالی | لامکاں خود ہے مکینِ عالم

استت سری مہادیوجی

جو نکلے سدا شیو کا نام لب سے | ملے بار اُمید نخلِ طرب سے
سدا شیو کا ہے دھیان جنکو تمنا | وہ مشہور ہیں گیانیوں کے لقب سے

استت سری شکت

شکت کا مرتبہ جو عالی ہے — شان جود و کرم نرالی ہے
اے تمنا ہے شکت ہی سب کچھ — یہ نہ ہو پھر تو ہاتھ خالی ہے

استت سری کشن جی

دیوکی نندن کا جسکو دھیان ہے — صاحب حشمت وُہی انسان ہے
ہے تمنا کشن جی کی جس کو فکر — اُسکی ہر مشکل سدا آسان ہے

استت سری رادھکا جی

سری رادھکا جی سے سب کا بھلا ہے — کہ گلزارِ آفاق پھولا پھلا ہے
تمنا اُنھیں کی بدولت ہمیں بھی — نہیں خدشۂ درد و رنج و بلا ہے

استت سری سورج نراین

سری سورج کا دھیان اِک بابِ دیں کو شاد کرتا ہے — کہ قیدِ فکر و رنج و درد سے آزاد کرتا ہے
تمنا نور سے جسکے اک عالم ہوگیا روشن — اُسی کا نام ہر اہل تمنا یاد کرتا ہے

قطعات تاریخ طبع سابق از مولف

یہ چالیسا جو اُردو میں ہوا ہے نظم ان روز وں
نظر میں جلوۂ فضلِ جنابِ انجنی ست ہے
تمنا نے لکھا یہ مصرعۂ تاریخ برجستہ
دل افزا و دلکش و زیبا پون ست جس کی استت ہے
سمبت ۱۹۴۰

قطعہ تاریخ طبعزاد منشی دھنپت رائے صاحب متخلص بہ محقق خلف منشی جبیکھ رائے صاحب خیرآبادی متخلص بہ مقبول

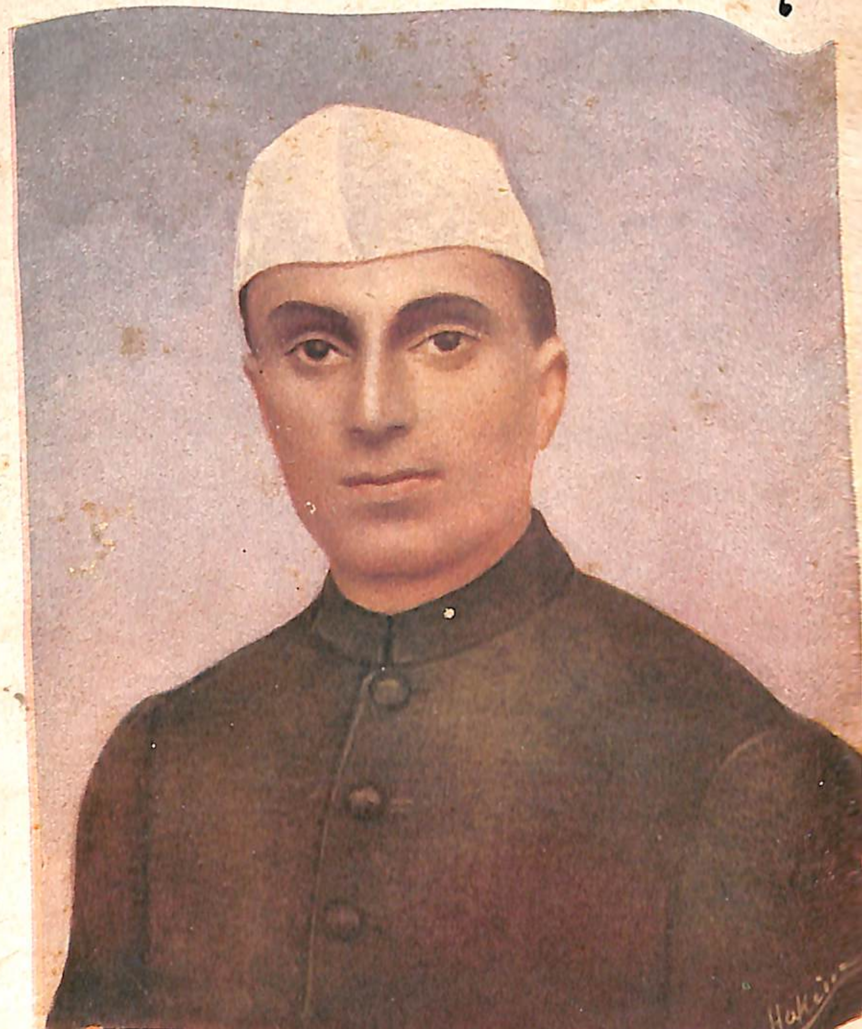
تمنائے ذی فہم و شیریں بیاں نے	رقم کی جب استت اپون ست بلی کی
کہا مجھ سے تاریخ کو اے محقق	کہ خوش تھی ہوا گلشن و دستی کی
لکھا میں نے فوراً یہ مصراعِ نادر	کہی بہتر اُستت مہابیر جی کی

سمبت ۱۹۴۲

ہنومان چالیسا مصنفۂ منشی رام سہائے تمنا ساکن لکھنؤ قوم کایستھ مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں بعلو ہمتی رائے بہادر جناب منشی رام کمار منشی تیج کمار صاحبان مالکان مطبع باہتمام بی۔ بی کپور سپرنٹنڈنٹ مطبع بار ششم حلیہ طبع سے آراستہ ہوا

سنہ ۱۹۴۴ء

ہمارے رہنما



مؤلفہ پنڈت مراری لال شرما

160

ناشر نول کشور پریس بکڈپو لکھنؤ

ہمارے رہنما

(ملک کے ۱۸ رہنماؤں کے حالات زندگی)

مولفہ

پنڈت مراری لال شرما ہندی ماسٹر ڈی این۔ ہائی اسکول میرٹھ

پبلشر

نولکشور پریس بکڈپو حضرت گنج لکھنؤ

قیمت ۱۸/

پہلی بار

فہرست مضامین

ہمارے رہنما

باپ - شانتی ۔ میں اب تمھیں اپنے رہنماؤں کے بارے میں کچھ بتاؤں گا - رہنما سردار یا رہبر کو کہتے ہیں - انگریزی زبان میں رہنما کو لیڈر کہتے ہیں - لیڈر کے معنی آگے آگے چلنے والے کے ہیں ۔ جب کچھ لوگ ملکر کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ایک ایسے سردار کا ہونا ضروری ہے جو باقی لوگوں کو راستہ دکھا کر اس کام میں کامیابی حاصل کرے - اسلیے ہمیں بہت سوچ سمجھ کر اپنا رہنما منتخب کرنا چاہیئے لیکن جبتک ہم اسے رہنما مانتے ہیں تب تک اس کا حکم ماننا چاہیئے اگر رہنما کا حکم نہ مانا جائے گا اور ہر ایک آدمی اپنی رائے پر چلے گا تو کام بگڑ جائے گا یہی وجہ ہے کہ ہم ہر ایک کام کرنے میں اپنا رہنما انتخاب کرتے ہیں - کھیل کی جماعت کے رہنما کو کپتان کہتے ہیں - ذات برادری کے رہنما کو چودھری کہتے ہیں - فوج میں بھی لفٹننٹ - کپتان - کرنل وغیرہ افسر سپاہیوں کے رہنما ہوتے ہیں ایسے ہی ملکوں کے بھی رہنما ہوتے

ہیں مہاتما بدھ - عیسٰی مسیح - حضرت محمدؐ صاحب - شری شنکر آچاریہ - گرونانک
مہاتما مہابیر - کبیر - سوامی دیانند سرسوتی وغیرہ مذہبوں کے رہنما تھے -
مہاراج اشوک - چندر گپت - میزنی گاری بالڈی - نیپولین - نیلسن - مہارانا
پرتاب - شیواجی ملکوں کے رہنما تھے - مارٹن لوتھر - راجہ رام موہن رائے
ابراہام لنکن - سرسید وغیرہ نے اپنی قوموں کی بہت کچھ اصلاح کی آج بھی
مہاتما گاندھی - پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ کو ہم اپنا رہنما مانتے ہیں -
اور انھیں رہنماؤں کی بتائی ہوئی باتوں کو ماننے والے لوگوں کی علٰحدہ علٰحدہ
متفرق جماعتیں بن جاتی ہیں اپنے رہنماؤں کی بتائی ہوئی باتوں کو وہ مذہب
کہنے لگتے ہیں - دنیا کے تمام مذاہب اسی طرح بنے ہیں - جسقدر بھی رہنما
ہوتے ہیں وہ اپنے زمانہ کے لوگوں کی ضروریات کو سمجھ کر ہی بات کرتے ہیں
لیکن انکے پیرو ملک اور قوم کی ضرورتوں کو نہ سمجھ کر ہمیشہ وہی پرانا راگ
گایا کرتے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ بہت سی پرانی باتوں کو اپنے لئے
نقصان دہ پاکر اس مذہب سے ہی نفرت کرنے لگتے ہیں -

شانتی - مگر اصلی مذہب کیا ہے ؟

باپ - دنیا کے سب جانداروں سے محبت کرنا - سب کے دکھ سکھ
کو اپنا دکھ سکھ سمجھنا - جہاں تک ہوسکے اپاہجوں کی اعانت کرنا ہی تمام
مذاہب کا حکم ہے اور یہی جملہ مذاہب کا خلاصہ ہے -

انپورنا - جب آپ کی بتائی ہوئی یہ باتیں ہی تمام مذاہب کے
احکام ہیں تو پھر ہندو مسلمان عیسائی سکھ وغیرہ لوگ کیوں مذہب کے

نام پر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوتے ہیں۔ ایک ملک والے دوسرے ملک کے لوگوں کو نیست و نابود کرنے کی کیوں کوشش کرتے ہیں۔

باپ۔ طمع اور نادانی ہی سے یہ سب افعال سرزد ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی مذہبی کتب میں لکھا ہے کہ اس تمام دنیا کو اپنا خاندان سمجھو۔ تمام جانداروں کی تمہاری سی جان ہے وغیرہ۔ عیسائی مذہب کے بانی حضرت عیسےٰ فرماتے ہیں اگر کوئی تمہارے بائیں گال پر طمانچہ لگائے تو داہنا بھی اسکی طرف کردو یعنی برائی کے بدلہ میں بھلائی کرو اور اپنے غریب پڑوسی کی مدد کیلئے ہمیشہ تیار رہو۔ حضرت محمدؐ صاحب۔ گرو نانک اور مہاتما بدھ وغیرہ بزرگ ہستیوں نے ہمیشہ سچ بولنے آپسمیں میل سے رہنے اور غریبوں کی مدد کرنے ہی کی ہدایت کی ہے۔ مگر آج ہم ان بزرگوں کے پیرو کہلانے والے ہندو مسلمان عیسائی سکھ بودھ وغیرہ ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کو تیار ہیں۔ دنیا کے سنجیدہ لوگ ہمارے ان افعال کو دیکھ کر مذاہب کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔

انپورنا۔ اس میں مذہب کا کیا قصور ہے اس میں تو اس مذہب کے ماننے والوں کا قصور ہے۔

باپ۔ تم بالکل ٹھیک کہتی ہو کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ ہم لمبی داڑھی تلک، بالوں کی جٹا وغیرہ باتوں کو مذہب مانے بیٹھے ہیں۔ مذہب کا مقصد تو اعتقاد یقین اور ایمان ہے۔ لباس کو ایمان سے کیا تعلق ایک تلک دھاری یا لمبی داڑھی والا شخص بھی چور بے ایمان ہو سکتا ہے اور ایک

کوٹ پتلون پہننے والا اور داڑھی مونچھ منڈا نہایت ایماندار اور سچا ہو سکتا ہے۔ لباس تو کسی جگہ کی آب و ہوا یا آپس کے تعارف کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ جیسے جب دو ٹولیاں کھیلتی ہیں تو اُن کی علٰحدہ علٰحدہ رنگ کی وردیاں پہچان کے لئے بنائی جاتی ہیں۔

انپورنا۔ پتاجی جب سب کا خدا ایک ہے تو پھر ہم سب اسکی مخلوق آپس میں لڑیں تو اور بھی بیوقوفی کی بات ہے

باپ۔ ہاں بیٹی تمہارا خیال صحیح ہے خدا ایک ہی ہے مسلمان اُسکو اللہ، خدا، پروردگار۔ ہندو ایشور، پرماتما اور عیسائی لارڈ یا گاڈ کہتے ہیں اپنی مخلوق (اولاد) کو لڑتے دیکھکر تو کوئی خالق (باپ) اپنی مخلوق سے خوش نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے ہمارا تو پورا اعتقاد ہے کہ اصل میں وہی آدمی سچا اور مذہب کا پکا ہے اور وہی سچا رہنما ہے جو دنیا کے لوگوں کو آپس میں محبت اور انصاف سے رہنے کی صلاح دے۔

شانتی۔ پتاجی! شاید یہی وجہ ہے کہ مہاتما گاندھی دنیا میں سب سے بڑے آدمی مانے جاتے ہیں۔

باپ۔ تمہارا خیال ٹھیک ہے مہاتما لوگ کسی خاص ملک کی بھلائی کے لئے پیدا نہیں ہوتے وہ تو دنیا بھر کی بھلائی کے لئے دنیا میں آتے ہیں۔ حضرت محمدؐ صاحب، حضرت عیسیٰؑ اور مہاتما بُدھ نے انھیں ملکوں کی اصلاح نہیں کی جنمیں وہ پیدا ہوئے تھے بلکہ انھوں نے تمام عالم کی اصلاح کی لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی خاص ملک

ہمارے رہنما



دادا بھائی نوروجی

اور قوم کی ہی اصلاح کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم مہاتما تو نہیں کہتے مگر رہنما کہہ سکتے ہیں آج میں تمہیں اُن سیاسی رہنماؤں کے بارہ میں بتلاؤں گا جنھوں نے سو برس کے اندر ہمارے ہندوستان کی بھلائی کے کام کئے ہیں۔ جن کی ملکی خدمت کی وجہ سے ہمارے ملک کی حالت بہت کچھ سُدھر گئی ہے ان رہنماؤں میں سب سے پہلے میں دادا بھائی نوروجی کے بارہ میں بتلاؤں گا۔

دادا بھائی نوروجی

باپ۔ شانتی! آج تو ہماری کانگریس ملک کی سب سے زیادہ خدمت کر رہی ہے لیکن دادا بھائی نوروجی ایسے خادم وطن تھے جو کانگریس قائم ہونے کے تیس سال پہلے سے ہمارے ملک ہندوستان کی دل و جان سے خدمت کر رہے تھے اور جنھوں نے مرتے دم تک ہندوستان کی خدمت کی۔

شانتی۔ یہ کہاں کے رہنے والے تھے۔

باپ۔ ان کی پیدائش ۱۸۲۵ء کی ۴ ستمبر کو بمبئی صوبہ کے برسوا گاؤں میں ایک معمولی پارسی پروہت کے گھر میں ہوئی تھی۔ دادا بھائی کی چار سال کی عمر میں ان کے والد کی موت ہو گئی اب تو دادا بھائی کی تعلیم اور پرورش کا تمام بار ان کی والدہ پر آپڑا لیکن ان کی والدہ نے بے حد

ہوشیار اور اعلیٰ خاندان والی تھیں۔ اُنھوں نے نوعمر دادا بھائی کو اچھی سے اچھی تعلیم دی دادا بھائی اکثر خود کہا کرتے تھے سچ تو یہ ہے کہ میں جو کچھ ہوں اپنی والدہ ہی کی وجہ سے ہوں۔ بڑے ہوکر اُنھوں نے بمبئی کے الفنسٹن اسکول اور کالج میں انگریزی سیکھی۔

شانتی۔ جو دادا بھائی آگے چلکر ہندوستان کے اسقدر بڑے سردار ہوئے وہ طالب علمی کے زمانہ میں بھی خاص ہی طالب علم رہے ہونگے۔

باپ۔ یہ بڑے ہی ہوشیار اور ہونہار طالب علم تھے ہر ایک کلاس میں ہمیشہ اول رہتے تھے اور انعام پاتے تھے۔ حساب کا مشکل سے مشکل سوال بھی بات کی بات میں نکال دیتے تھے۔ اسپر بھی یہ بہت ہی سادہ رہتے۔ بُری صحبت سے پرہیز کرتے اور اچھے کاموں میں حصہ لیتے تھے۔

انپورنا۔ کالج میں پڑھنے کے بعد انھوں نے کیا کیا۔

باپ۔ بمبئی ہائیکورٹ کے چیف جسٹس دادا بھائی کی قابلیت پر فریفتہ تھے۔ اُنھوں نے انھیں صلاح دی کہ انگلینڈ جاکر بیرسٹری پاس کرو نصف روپیہ میں دونگا۔ مگر ان دنوں میں ہمارے ملک کے لوگ بڑے ہی بے سمجھ تھے وہ ولایت جانا مذہب کے خلاف گناہ عظیم خیال کرتے تھے اسلئے دادا بھائی کی ذات والوں نے ان کی کوئی مدد نہ کی اور انھیں مجبور ہوکر الفنسٹن اسکول ہی میں اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹری کرنی پڑی پھر آپ اسی کالج میں حساب پڑھانے کے پروفیسر ہوگئے۔

انپورنا۔ مگر دادا صاحب اجکل تو ولایت جانا ایک بڑے فخر کی

بات سمجھی جاتی ہے۔ جو لوگ ولایت سے پڑھکر آتے ہیں ان کی اور لوگوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ عزت ہوتی ہے۔

باپ۔ مگر یہ بات بہت دنوں میں ہوئی ہے۔ اب سے بیس سال پیشتر تک لوگ ولایت جانے والے کو ذات سے نکال دیتے تھے۔ آج تو جگہ جگہ لڑکیوں کے اسکول اور کالج کھُل رہے ہیں پردہ ہٹتا جا رہا ہے اور بیواؤں کی بھی شادیاں ہونے لگی ہیں۔ اُن دنوں میں یہ سب باتیں مذہب کے خلاف گناہ عظیم سمجھی جاتی تھیں جو لوگ ان کاموں میں حصہ لیتے تھے اُنھیں برادری سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی تو ایسے لوگوں کو جان سے مارنے تک کی بھی کوشش کی جاتی تھی۔ بمبئی میں سب سے پہلے لڑکیوں کا مدرسہ (گرلس اسکول) دادا بھائی ہی نے کھولا تھا۔ بیوہ کی شادی کیلئے بھی اُنھوں نے بڑی بڑی کوششیں کیں۔

شانتی۔ انکے خیالات شروع ہی سے بڑے اچھے تھے۔

باپ۔ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کے خیالات شروع ہی سے اچھے ہوتے ہیں وہ ہی آگے چلکر بڑے آدمی ہوتے ہیں۔ پڑھانے کا کام کرتے ہوئے بھی یہ اپنے کام اور خرچ سے بچے ہوئے وقت کا ایک ایک منٹ اور ایک ایک پیسہ جماعت کی اصلاح کے کاموں میں لگاتے تھے۔ یہ بہت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ۱۸۵۱ء میں اُنھوں نے راست گفتار نام کا اخبار بھی نکالا تھا۔ ۱۸۵۵ء میں دادا بھائی کالج کی نوکری چھوڑ کر پارسیوں کی ایک فرم کا ... ہوکر ... حصہ دار

ہو کر لندن چلے گئے۔

شانتی۔ لندن میں انھوں نے کیا کیا۔

باپ۔ یہ اپنے فرم (کوٹھی) کی تجارت کا کام کرتے تھے اور ساتھ ہی انگریزوں کو ہندوستان کی صحیح صحیح حالت سمجھانے کیلئے جلسوں میں تقریریں اور اخباروں میں مضامین دیتے تھے۔ غرض انھیں ہر وقت ہر طرح سے اپنے ملک ہندوستان کی خدمت کرنے کی دُھن تھی اسی کام کے لئے اُنھوں نے بڑی کوششوں سے لندن انڈین سوسائٹی اور ایسٹ انڈین ایسوسی ایشن مجلسیں قائم کی تھیں۔ دادا بھائی نوروجی اس ملک کو آرام کرنے کی جگہ نہیں بلکہ میدان عمل سمجھتے تھے اسی لئے یہ اپنا ایک ایک لمحہ ملک کی خدمت میں گذارتے تھے ساتھ ہی ان کا یہ بھی یقین تھا کہ جس قوم کی بدولت میں اتنا بڑا بنا ہوں اسی کی خدمت میں اپنا سب کچھ لگا دینا میرا فرض ہے۔ ۱۸۶۹ء میں دادا بھائی ہندوستان لوٹ آئے، پبلک نے انھیں ان کی خدمت کے صلہ میں تیس ہزار روپیہ کی تھیلی نذر کی مگر آپ نے اس رقم کا ایک ایک پیسہ ملک کی بہتری کے کاموں میں لگا دیا۔

شانتی۔ یہاں آکر یہ پھر کس طرح گذر کرتے تھے۔

باپ۔ پہلے مہاراجہ بڑودہ کے یہاں بڑے دیوان ہوئے اپنے وقت میں انھوں نے بڑودہ ریاست کی حالت بہت کچھ سنبھال دی لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ ریاست کی نوکری چھوڑ کر بمبئی میں رہنے لگے

یہاں ۱۸۸۵ء میں بمبئی کونسل کے ممبر مقرر ہوئے ۱۸۸۶ء کی دوسری کانگریس میں ملک کے لوگوں نے آپ کو ہی کانگریس کا صدر منتخب کیا ہندوستان کی بابت پرچار کے لئے یہ پھر انگلینڈ گئے وہاں سے واپس آنے پر ۱۸۹۳ء میں یہ پھر لاہور کانگریس کے صدر منتخب کئے گئے ۱۸۹۳ء میں دادا بھائی کی لگاتار کوششوں سے سرکار کی طرف سے ایک کمیشن ہندوستان کی آمدنی اور خرچ کی جانچ کے لئے مقرر ہوا۔ دادا بھائی اس کمیشن کے ایک ممبر بنائے گئے۔

انپورنا۔ انھوں نے اس کمیشن کا ممبر ہوکر کیا کیا۔

باپ۔ انھوں نے پبلک اور سرکاری افسروں پر ہندوستان میں انگریزی حکومت کی پول کھول دی انھوں نے ثابت کیا کہ انگریزی حکومت نے ہم ہندوستانیوں کو پہلے سے بہت مفلس بنا دیا ہے ایک ہندوستانی کی سالانہ آمدنی ۲۲ روپیہ یعنی ۲ روپیہ ماہوار سے بھی کم ہے اس پر بھی ہمیں گمراہ کیا جاتا ہے کہ انگریزی راج میں ہماری حالت پہلے سے بہتر ہو گئی ہے۔ پبلک کا جوش اور بھی بڑھ گیا۔

انپورنا۔ اس جوش کا انجام کیا ہوا۔

باپ۔ ملک کے خدمتگاروں کے اعتدال پسند اور انتہا پسند دو حصے ہو گئے۔ انتہا پسند جماعت کہتی تھی کہ فوراً آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بھیک مانگنے سے کام نہ چلیگا اسلئے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیئے اعتدال پسند جماعت کہتی تھی سرکار کو

ناراض کرنے سے بجائے فائدے کے نقصان ہوگا اس لئے صبر سے کام لینا چاہیئے۔ بس انھیں وجوہات سے سن ۱۹۰۶ء کی کلکتہ کانگریس میں دونوں جماعتوں نے اپنا اپنا صدر چننے کی کوشش کی۔ لیکن آپ کا نام پیش ہونے پر دونوں ہی جماعتیں راضی ہو گئیں۔

انپورنا۔ یہ کیوں۔

باپ۔ کیونکہ آپ کی خدمت وطن پر دونوں ہی جماعتوں کو اعتبار تھا۔ آپ سن ۱۹۰۶ء کی کلکتہ کانگریس کے صدر ہوئے۔ آپ نے وہ زوردار خطبہ لکھ کر دیا کہ دونوں جماعتوں میں اتحاد ہو گیا۔ اس طرح آپ نے کانگریس کو مٹنے سے بچا لیا۔ جس سوراج لفظ کو آج ہندوستان کا بچہ بچہ گاتا ہے یہ اُن دنوں میں سرکار کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔ سب سے پہلے سن ۱۹۰۶ء کی کانگریس میں دادا بھائی نے ہی سوراج کا لفظ منھ سے نکالا تھا آپ نے کہا تھا سوراج تو ہمارا پیدائشی حق ہے اور یہ حق ہم سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ اسوقت آپ کی عمر ۸۰ برس کی ہو چکی تھی لیکن پھر بھی آپ کانگریس کا کام کرنے کیلئے لندن چلے گئے وہاں آپ بیمار پڑ گئے اور بیماری کی حالت ہی میں ہندوستان لوٹ آئے۔

شانتی۔ یہاں آکر بیماری میں کچھ فائدہ ہوا یا نہیں؟

باپ۔ نہیں انکی تندرستی دن بدن بگڑتی ہی گئی اور آپ ڈاکٹروں کی رائے سے اپنے گاؤں برسووا میں ہی رہنے لگے ان دنوں برسووا ہندوستان کے لیڈروں کا زیارت گاہ بنا رہتا تھا۔ اسی حالت میں ہی ہندوستان کے

بڑے سردار کانگریس کے باپ "گرانڈ اولڈ مین" (بڈھے سردار) سے
نیاز حاصل کرنے اور اُن سے ملکی معاملوں میں رائے لینے آتے تھے آخر
تیس جون ۱۹۱۷ء کو ۹۲ برس کی عمر میں ہندوستان کے اس انوکھے
رہنما کا انتقال ہو گیا۔

شانتی۔ آفریں ہے ایسی بڑی ہستی کو جو ۹۲ برس کی عمر میں بھی
مرتے دم تک اپنے مادر وطن کی خدمت کرتا رہا۔ پتا جی۔ آخر دادا بھائی
نوروجی میں کیا بات تھی جو اتنا زیادہ کام کرتے ہوئے بھی ۹۲ برس تک
زندہ رہے۔

باپ۔ انکی ایک سالگرہ کے دن ایک اخبار کے مدیر نے آپ
سے پوچھا تھا آپ کے بڑھاپے میں بھی اتنا تندرست رہنے کا کیا
سبب ہے دادا بھائی نے فرمایا تھا میرے تندرست رہنے کا یہ سبب
ہے جہانتک مجھے یاد ہے میں نے کبھی بھنگ، تمباکو وغیرہ نشیلی
چیزوں کا بالکل اور لال مرچ اور کھٹائی وغیرہ کا گرم مصالحوں میں زیادہ
استعمال نہیں کیا۔ صاف ہوا کا میں نے زیادہ سے زیادہ استعمال کیا۔ اور
بڑھاپے تک تھوڑی بہت ورزش ہر روز کرتا رہا ہوں۔ وقت پہ
کھانا اور وقت پر سونا وقت پہ کام کرنا میری اچھی اچھی عادتیں رہی ہیں۔
اچھا۔ اب ہم ایک دوسرے رہنما لوکمان تلک کی بابت بتاتے ہیں۔

۱۲
لوکمان تلک

باپ۔ انپورنا۔ سب سے پہلے رہنما جنھوں نے تمام ہندوستانیوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ لوکمان تلک ہی تھے۔ آج تو مہاتما گاندھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ خان عبدالغفار خاں وغیرہ کئی رہنما ہیں جن کی پبلک میں لوکمان تلک کی طرح عزت ہے۔ ہندوستان کے تمام رہنماؤں نے آپ کو ہندوستان کا بنانے والا مانا ہے۔

آپ کی پیدائش ۲۳ جولائی ۱۸۵۶ء میں بمبئی صوبے کے رتناگری ضلع میں کوکرن گاؤں میں پنڈت گنگا دھر رامچندر تلک کے گھر میں ہوئی تھی۔ پنڈت گنگا دھر ریاضی کے بڑے عالم اور پونا ضلع کے اسکولوں کے اسسٹنٹ انسپکٹر تھے۔ آپ نے اس بچے کا نام بلونت راؤ رکھا تھا۔ لیکن گھر میں اسکو بال کہا کرتے تھے ہوتے ہوتے اس بچے کا نام بال گنگا دھر ہو گیا۔

انپورنا۔ انھوں نے تعلیم کہاں پائی؟

باپ۔ انھوں نے ۱۸۷۲ء میں سٹی اسکول پونا میں انٹرنس اور اسکے چار سال بعد دکین کالج پونا سے بی۔ اے اول درجہ میں پاس کیا تھا تحصیل علوم کے دوران میں نوجوان بال گنگا دھر بہت ضدی تھا۔ پڑھائی لکھائی کی باتوں میں پروفیسروں سے اٹک جاتا تھا اور دبلے پتلے فیشن ایبل لڑکوں کو بہت تنگ کرتا تھا۔ کالج میں ایک کھاڑہ بنا رکھا تھا

ہمارے رہنما



تلک

اور اپنے کچھ ساتھی بھی بنا لئے تھے۔ اُن کے ساتھ خود کسرت کرتا اور کشتی لڑتا تھا۔ کالج کے بہت سے لڑکوں نے اسکا نام ڈیبل (شیطان) رکھ لیا تھا۔ کالج کی زندگی میں ہی نوجوان گنگا دھر اور اُنکے ایک ساتھی آگرکر نے یہ طے کر لیا تھا کہ ہم دونوں سرکاری نوکریاں نہ کریں گے اور اپنی تمام زندگی اپنے ملک ہندوستان کی خدمت میں تمام کریں گے اس لئے ۱۸۷۹ء میں ال۔ ال۔ بی کا امتحان پاس کرنے پر بھی نوجوان گنگا دھر نے وکالت نہیں کی۔

انپورنا۔ اور کیا کام کیا؟

باپ۔ آگرکر اور گنگا دھر نے پہلے پڑھائی کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ یکم جنوری ۱۸۸۰ء کو ان دونوں دوستوں نے ۱۹ طالب علم لیکر پونا میں نیو انگلش اسکول کھولا۔ تین مہینے کے اندر اس اسکول میں ۵۰۰ طالب علم ہو گئے۔ چار سال کے بعد طالب علموں کی تعداد ۱۰۰۰ سے بھی زیادہ ہونے کی وجہ سے استادوں کو دکن ایجوکیشن کمیٹی قائم کرنے کی خواہش ہوئی انھوں نے یہ سوسائٹی قائم بھی کر دی اور ۲ جنوری ۱۸۸۵ء کو اسی سوسائٹی کی طرف سے فرگیرسن کالج پونا کی بنیاد ڈالی گئی۔ کالج بڑی تیزی سے ترقی کرنے لگا۔ آجکل یہ کالج ہندوستان کا خاص کالج شمار کیا جاتا ہے۔ مگر کچھ سال بعد کالج کے پروفیسروں میں آپسمیں اختلاف ہونے لگا۔

شانتی۔

باپ۔ تلک اور آگرکر کہتے تھے کہ کالج کے کام کرنے والوں کو اپنی گذر اوقات کے لائق ہی تنخواہ لینا چاہیئے اور دل و جان سے کالج کی خدمت کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اور آمدنی بھی ہو تو وہ بھی کالج کو ہی دے دینی چاہیئے۔ دوسرے لوگ کہتے تھے۔ کالج کا کام کرنے کے بعد کام کرنے والوں کو اور کام کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے جب آپسمیں اختلاف رائے پیدا ہوا اور اس نے بہت زور پکڑا تو تلک اور آگرکر کالج سے علیحدہ ہو گئے۔

شانتی۔ وہ تو ٹھیک راستے پر تھے۔ وہ کیوں علیحدہ ہوئے؟

باپ۔ بیٹی۔ زیادہ تعداد تو دوسری جانب تھی۔ وہ لوگ استعفار دیتے، کالج میں جھگڑے پیدا ہوتے اور اتنی محنت سے بنایا ہوا کالج ختم ہو جاتا۔ کیونکہ تلک اور آگرکر کو ملک کی خدمت کرنا ہی تھی انھوں نے دوسرے طریقہ سے ملک کی خدمت شروع کر دی۔

شانتی۔ ان دونوں نے اب کیا کام شروع کیا؟

باپ۔ تلک اور آگرکر نے پبلک کی خدمت کرنے کیلئے ۱۸۸۱ء میں کیسری اور مرہٹا نام سے مرہٹی اور انگریزی میں دو ہفتے وار اخبار نکالنے شروع کیئے۔ یہ دونوں دوست ہی ان دونوں اخباروں کے ایڈیٹر (مدیر) بنے۔ شروع شروع میں ان کے پاس نہ میز تھی نہ کرسی اسلیئے تلک چارپائی پر بیٹھ جاتے تھے اور اپنا بستر لپیٹ کر میز کی جگہ آگے رکھ لیتے تھے۔ برسوں تک اسی طرح چارپائی پر بیٹھ کر انھوں نے اخباروں

کے لئے مضمون لکھے۔ کچھ سال بعد ان دوستوں میں بھی اختلاف ہو گیا۔

شانتی۔ یہ کیوں؟

باپ۔ تلک قوم سدھار تو کرنا چاہتے تھے مگر آہستہ آہستہ۔ آگرکر اور اُن کے تیسرے دوست چپلونکر شاستری بڑی تیزی سے قوم سدھار کرنا چاہتے تھے۔ اسی اختلاف رائے کی وجہ سے سال ۱۸۹۰ء میں تلک اپنے اوپر دونوں دوستوں کی ذمہ داری لیکر اپنے دوستوں سے علیحدہ ہو گئے اسوقت مرہٹا پر ۷۰۰۰ روپیہ کا قرضہ تھا۔ مگر کیسری سے کچھ آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔ تلک نے ایک وکالت کا کلاس شروع کیا۔ اسکی آمدنی سے کچھ قرضہ ادا کیا۔ دونوں دوستوں کا کام زیادہ ہو جانے کی وجہ سے تلک کو اس وکالت کے درجہ کو بند کرنا پڑا۔ لیکن کیسری کی بہت نمایاں ترقی ہو رہی تھی۔ اسکے خریدار قریب تیس ہزار کے ہو گئے۔ ان دونوں اخباروں کی وجہ سے تلک کو بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

انپورنا۔ پتاجی۔ اخباروں کی وجہ سے کیوں تکلیفیں اُٹھانا پڑیں۔

باپ۔ بیٹی۔ اخبار کے ایڈیٹر کا کام بہت مشکل ہے۔ اگر سرکار کے کسی کام کو نامناسب قرار دیا جاوے تو سرکار اخبار ضبط کرے اور ایڈیٹر کو جیل میں بند کر دے۔ پبلک کے کسی کام کی نکتہ چینی کی جاوے تو وہ ناراض ہو جاوے۔ اخبار کے ایڈیٹر کی حالت ہر وقت سانپ چھچھوندر جیسی ہے۔

کیسری میں کولھاپور ریاست کے بارے میں ایک مضمون لکھا تھا۔

اس مضمون پر کولھا پور کے دیوان نے ۱۸۸۲ء میں تلک اور آگرکر پر توہین کا مقدمہ چلا دیا ان دونوں ایڈیٹروں کو اس مقدمہ میں چار چار ماہ کی جیل ہوگئی۔ لیکن اس سزا سے پبلک میں اُن کی عزت بہت بڑھ گئی اُنکے جیل سے چھوٹنے کے وقت ہزاروں آدمی مبارکباد دینے کے لئے جیل کے پھاٹک پر پہونچ گئے۔

۱۸۸۹ء میں کیسری نے ایک دوسری ہلچل مچائی۔ رتنا گری جیل کا انگریز کمشنر مسٹر کرافرڈ اپنے نوکروں کے ذریعہ رشوت لیتا تھا۔ مسٹر کرافرڈ اور اسکے نوکروں پر رشوت ستانی کے الزام لگائے گئے تو سرکار نے انکی جانچ کیلئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ کمیشن نے مسٹر کرافرڈ کو تو چھوڑ دیا لیکن اُنکے نوکروں کو ملزم قرار دیا۔

انپورنا۔ ملزم تو سب تھے مسٹر کرافرڈ کیوں چھوڑ دیے گئے۔

باپ۔ کمیشن کے ممبر تھے انگریز۔ انھوں نے سوچا کہ اگر مسٹر کرافرڈ کو ملزم قرار دیا گیا تو تمام انگریز قوم بدنام ہوجاوے گی۔

انپورنا۔ تو یوں سمجھئے کہ دنیا میں زبردستوں کے لئے کوئی کام بُرا نہیں۔ سب عیب ہیں تو غریبوں میں......

باپ۔ تمھاری بات بہت حد تک ٹھیک ہے زبردست تو مارتا ہے اور رونے نہیں دیتا۔ دیکھو اٹلی بیچارے ابی سینیا کو ہڑپ کر گیا جاپان غریب چین کو ہڑپ کر رہا ہے زبردست قومیں کمزور قوموں کو ہڑپ کر رہی ہیں بہت سے امیر لوگ غریب لوگوں پر ظلم کرتے ہیں مگر غریب کی

کہاں سنوائی ہوتی ہے؟

انپورنا۔ دنیا میں ایسے بھی انصاف کرنے والے تو ہوئے ہیں جنھوں نے بُرے کاموں کے کرنے پر اپنے اکلوتے لڑکے تک کو پھانسی دے دی ہے

باپ۔ مگر ایسے لوگ اتنے گنے ہی ہوئے ہیں اور ہیں بھی۔ اس دنیا میں زیادہ تر تو جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس ہے۔

مگر تلک کرافرڈ کے معاملے میں خاموش نہ ہوئے انھوں نے اپنے اخبار کیسری میں مضمون لکھ کر اور پبلک میں تقریریں کر کے اس معاملے کی چاروں طرف ہلچل مچا دی۔ یہاں تک کہ لندن میں انگریزی پارلیمنٹ تک میں پارلیمنٹ کے ممبروں سے اس بارے میں سوال اُٹھوائے۔

سنہ ۱۸۹۳ء اور سنہ ۱۸۹۴ء میں پبلک میں جوش پھیلانے اور ملکر کام کرنے کی طاقت پیدا کرنے کیلئے تلک نے دو نئے کام کئے۔

شانتی۔ وہ کیا؟

باپ۔ گنیش پوجا اور شیو پوجا۔ گنیش پوجا میں ہندو لوگ اپنے دیوتاؤں کے سردار گنیش جی کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ پوجا ہمیں سکھاتی ہے کہ گنیش جی کا نام لے کر ہمت سے کام شروع کرو ضرور کامیابی ہوگی اب تو گنیش پوجا مہاراشٹر ملک میں گھر گھر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے مسلمان اس تیوہار کو کرتے ہیں۔ شیو پوجا سے ملک کی خدمت کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ اتنا فائدہ مند ثابت ہوا کہ اب تو

ہندوستان کے دوسرے صوبے بھی اس تیوہار کو ماننے لگے ہیں۔

شانتی۔ تلک مہاراج نے دیش کی اور کیا کیا خدمتیں انجام دیں۔

باپ۔ انھوں نے بہت سی خدمتیں کیں۔ ۱۸۹۶ء میں قحط پڑتے پر انھوں نے گاؤں گاؤں میں کام کرنے والے بھیجے۔ گاؤں والوں کی اناج۔ گھاس وغیرہ چیزوں سے مدد کی۔ اناج کو ارزاں بیچنے کے لئے دکانیں کھلوائیں اور سرکار نے اس بارے میں جو ڈھیل ڈھال کی اُس پر نکتہ چینی کی۔

۱۸۹۷ء میں مہاراشٹر میں بڑے زور کا پلیگ پھیلا۔ سرکار نے پلیگ کو روکنے کی غرض سے پلیگ کے بیماروں اور اُن لوگوں کو جو پلیگ کے مریض کہے جا سکتے ہوں علیحدہ رکھنے کا انتظام کیا۔ اس کام میں سرکار نے پولیس اور فوج سے بھی کام لیا۔ اب تو ان لوگوں کی مراد بر آئی۔ یہ لوگ پبلک کو تنگ کرنے لگے۔ بھولی بھالی پبلک کو تنگ کر کے رشوت لینے لگے۔ گھروں میں گھسکر چوری بھی کرتے اور کہیں کہیں تو عورتوں سے چھیڑ چھاڑ بھی کرتے تھے۔ اس پر پبلک کا خون کھول پڑا اور ایک منچلے نوجوان چاپے کرنے ۲۲ جون ۱۸۹۷ء کی رات کو پلیگ کمیٹی کے پریسیڈنٹ مسٹر رنڈ کو قتل کر دیا۔ سرکار نے اس قتل کا یہ مطلب نکالا کہ کیسری کے مضامین کا یہ نتیجہ ہے بس سرکار نے ۱۴ ستمبر ۱۸۹۷ء کو تلک کو ۱۸ مہینے کی قید کر دی اور اپیل کرنے پر بھی انھیں نہ چھوڑا۔ لیکن اپنے ایک مضمون اور اپنی بدولت یہ چھ ماہ قبل چھوٹ آئے۔

شانتی۔ تلک مہاراج بڑے ہی نڈر اور اپنی دھن کے پکے تھے۔

باپ۔ اسی وجہ سے تو سرکار گھبراتی تھی اور پبلک ان کا اتنا ادب کرتی تھی۔ سنہ ۱۹۰۸ء کی جون میں سرکار نے تلک مہاراج پر یہ جرم لگایا کہ کیسری میں اشتعال انگیز مضامین لکھکر پبلک میں بغاوت پھیلاتے ہیں اور اسطرح ہندوستان سے انگریزی حکومت کو اُکھاڑنا چاہتے ہیں۔ بس آپ کو فوراً ... روپیہ جرمانہ اور چھ سال کے کالے پانی کی سزا دیکر برہما میں مانڈلے جیل میں بند کر دیا گیا۔ انکے اپیل کرنے پر مقدمے کے فیصلے کیلئے تین افسروں کی ایک کمیٹی مقرر ہوئی۔ لیکن اس نے بھی سزا جیوں کی تیوں رکھی۔ تلک مہاراج نے خود ہی اپنے مقدمے کی پیروی کرتے ہوئے اسی کمیٹی کے سامنے بڑے زوروں کے ساتھ کہا تھا۔ کمیٹی کا فیصلہ کر دینے پر بھی میرا ضمیر کہتا ہے کہ میں بالکل بری ہوں۔ اور شاید ایشور کی یہ مرضی ہے کہ اُس کام کی جسے میں چاہتا ہوں آزاد رہنے کے مقابلے میں جیل میں رہنے سے زیادہ ترقی ہوگی۔ آزادی تو ہمارا پیدائشی حق ہے اور ہم اسکو لے کر ہی رہیں گے

شانتی۔ مانڈلے جیل میں مہاراج تلک کے دن بڑے ہی مشکل میں کٹے ہونگے؟

باپ۔ ملک کے خیر خواہوں کی قسمت میں تو لکھے ہی ہوتے ہیں۔ بھوک۔ پیاس۔ جیل اور پھانسی کے تختے۔ انھوں نے اس جیل میں ہی گیتا رہسں نام کی ایک بڑی کتاب لکھی۔ اب سارے ہندوستان میں اس کتاب کی ضرورت ہے جب آپ ... جیل میں ... ۱۹۱۳ء میں

آپ کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ ۱۹۱۴ء میں آپ جیل سے چھوٹ کر ہندوستان کو واپس آئے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ بھارت (ہندوستان) واپس آنے پر ایک سرکاری پولس کے افسر یا اخبار کے ایڈیٹر نے آپ سے پوچھا۔ اب آپ کیا کریں گے؟

آپ نے فوراً مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ کہ ایک بیوی تھی اُسکا انتقال ہو گیا۔ اب میں بے فکر ہو کر آزادی کا خواہاں ہونگا۔ بس آپ نے جناب ڈاکٹر اینی بیسنٹ سے ملکر مہاراشٹر کے تمام گاؤں میں ہوم رول کی تحریک شروع کی اور جہاں جاتے ایک ہی مضمون پر تقریر کیا کرتے۔

شانتی۔ کس مضمون پر؟

باپ۔ آزادی حاصل کرنا ہمارا فرض منصبی ہے اور ہم اسکو لیکر رہیں گے۔ اسی مضمون پر شانتی! سنہ ۱۹۰۷ء کی سورت کی کانگریس میں ملک کے خیر خواہوں کے نرم اور گرم جتھوں میں گڑبڑ ہو گئی تھی۔ اسلئے یہ دونوں گروہ علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ سنہ ۱۹۱۶ء کی لکھنؤ کی کانگریس میں یہ دونوں گروہ پھر مل گئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ لکھنؤ کانگریس میں ہی ہندو اور مسلمانوں کا بھی کچھ سمجھوتہ ہوا تھا۔ ان سب میں مہاراج تلک کا ہی زیادہ ہاتھ تھا۔ اور آپ نے ہی ہوم رول کا ریزولیوشن اس کانگریس میں پیش کیا تھا۔ اسوقت ممالک متحدہ کے گورنر بھی اس جلسہ میں موجود تھے۔ اور پنچ کے چاروں طرف پولیس کے سپاہی لال وردی سے سجے ہوئے ہاتھوں میں ہتھکڑی لیے کھڑے تھے مگر اس مہاراشٹر کیسری نے

جس زور سے یہ ریزولیوشن پیش کیا اسکو دیکھکر لوگ حیرت زدہ ہو گئے۔

شانتی۔ پتاجی۔ کیا کانگریس کے رہنما ہوم رول کا رزولیوشن پیش کرنے سے ڈرتے تھے۔

باپ۔ جی ہاں۔ جب الگ کمیٹی میں ہوم رول کا ریزولیوشن پیش کرنے کی بابت بات پیدا ہوئی تو بڑے بڑے لیڈر ڈر کے مارے ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے۔ تب لوکمان تلک ہی نے پریسیڈنٹ کے ہاتھ سے ریزولیشن لیکر کہا تھا اگر یہ ڈھنگ رہا تو سوراج لے چکے لائیے ہم ریزولیوشن پیش کریں گے۔ یہ زمانہ یورپ کی جنگ عظیم کا تھا۔ سرکار نے لڑائی کے لئے روپیہ اور فوج کیلئے رنگروٹ مانگے۔ صوبہ بمبئی کے رہنے والوں کی ایک سبھا بمبئی میں اسپر غور کرنے کیلئے تیار ہوئی۔ تلک مہاراج نے اس جلسہ میں صاف صاف کہہ دیا۔ اگر سرکار ہمیں سوراج دینے کا وعدہ کرے تو ہم رنگروٹ بھرتی کرانے میں مدد کر سکتے ہیں سرکار کو دبانے کا یہی موقع ہے۔ مگر مہاتما گاندھی اسے برا سمجھتے تھے۔ اس بات پر آپ کا گاندھی جی سے اختلاف رائے ہو گیا۔ مگر آج ملک کے رہنما مہاراج تلک کی اس رائے پر کام نہ کرنے پر افسوس کرتے ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں مہاراج تلک ولایت گئے۔

انپورنا۔ کس لئے؟

باپ۔ جب مہاراج تلک مانڈلے جیل میں تھے تو ایک انگریز

[illegible]

اس کتاب میں اُنھوں نے مہاراج تلک پر کچھ الزام لگائے تھے۔ آپ نے ولایت جاکر مسٹر شرول پر توہین کا مقدمہ چلایا تھا۔

انپورنا۔ اس مقدمے میں کیا ہوا؟

باپ۔ وہی جو ہوتا تھا۔ انگریز قوم نے اس مقدمے کو اپنی عزت کا سوال بنا لیا۔ تلک مقدمہ ہار گئے۔ مگر تلک مہاراج کی عزت پبلک میں بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ ملک نے اُنھیں ۱۹۱۸ء کی دہلی کانگریس کا پریسیڈنٹ چُنا۔ مگر یہ ولایت میں ہونے کی وجہ سے اس کانگریس کی گدی پر نہ بیٹھ سکے۔ ان کی جگہ جناب پنڈت مالوی جی کانگریس کے پریسیڈنٹ ہوئے۔ مہاراج تلک میں تیاگ بہت زیادہ تھا۔ آپ کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر آپ کے ہمدردوں نے آپ کو ایک لاکھ روپیہ کی تھیلی نذر کی تھی اور یہ سب روپیہ ایک ہی مہینے میں جمع ہوگیا تھا۔

انپورنا۔ کیوں نہ ہوتا۔ مہاتما تلک کی تو پبلک میں بڑی عزت تھی اس روپیہ کو اُنھوں نے کیا کیا؟

باپ۔ پبلک کے اس نذرانہ کو خوشی سے قبول کرکے آپ نے اس روپیہ کو ہوم رول لیگ کی خیرات میں دے دیا۔

تلک مہاراج کو سلس البول کا مرض تھا۔ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء میں آپ بمبئی میں بیمار پڑ گئے اور ۱۳ جولائی کی رات کے بارہ بجے کے بعد آپ کی سردار گڑھ میں وفات ہوگئی۔ بس پھر کیا تھا۔ ملک میں چاروں طرف غم کے بادل چھا گئے۔ ہندوستان کی تمام ...

میں جلوس نکالے گئے بمبئی میں یہ جلوس دو میل کے قریب لمبا تھا اور لوکمان کی لاش پر پبلک کے چڑھائے ہوئے پھولوں کا ڈھیر کئی فٹ اونچا ہو گیا تھا۔ کئی لاکھ مرد و عورت و بچے اس جلوس میں شامل تھے۔

انپورنا۔ اتنی زیادہ تعداد؟

باپ۔ جی ہاں ایسا جلوس تو آجتک کسی ایک بھی رہنما کی وفات پر نہیں نکلا۔ مہاراج تلک پبلک میں بہت ہی عزیز تھے اسلئے لوگ انہیں لوکمان اور بھگوان تلک کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مہاتما گاندھی نے بھی سنہ ۱۹۲۱ء میں تلک کے کاموں کیلئے چندے کا جو فنڈ کھولا تھا اُسکا نام بھی تلک سوراج فنڈ تھا۔

شانتی۔ اس فنڈ کا نام تلک سوراج فنڈ ہی کیوں رکھا گیا؟

باپ۔ مہاتما گاندھی پبلک کی نبض کو اچھی طرح پہچانتے ہیں وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ تلک مہاراج کا پبلک میں بہت بڑا نام ہے۔ اگر اس فنڈ کا نام تلک سوراج فنڈ رکھا گیا تو چندہ بہت جلد اکٹھا ہو جائے گا۔ اسکے علاوہ مہاتما گاندھی لوکمان تلک کی ملکی خدمتوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ مہاتما جی نے مہاراج تلک کی یادگار منانے کا یہ ایک نیا طریقہ نکالا۔ اچھا بہت وقت گذر گیا۔

شانتی و انپورنا۔ نمستے۔ پتا جی۔ ایسے مدبر۔ ملک کے خیرخواہ کے حالات زندگی بیان کرنے میں جسقدر وقت بھی گذر جاوے غنیمت ہے۔

باپ۔ نمستے بیٹی۔ خوش رہو۔ خوش قسمت رہو

گوپال کرشن گوکھلے

باپ۔ انپورنا۔ آج ہم تمھیں بھارت (ہندوستان) کے تیسرے خیرخواہ گوپال کرشن گوکھلے کے بارے میں بتاتے ہیں۔ انکی زندگی تپ و تیاگ کی ایک اعلیٰ مثال تھی۔ آپ کی پیدائش ۱۸۶۶ء میں کولھاپور کے ایک غریب برہمن کے گھر میں ہوئی۔ آپ کے والد ایام طفولیت (بچپن) میں ہی وفات پا گئے اسلئے تعلیم کا تمام بوجھ آپ کے بڑے بھائی کے اوپر آ گیا۔ آپ نے کولھاپور کالج سے ایف اے اور ۱۸ سال کی عمر میں بمبئی کے الفنسٹن کالج سے بی۔ اے پاس کیا۔ بی اے پاس کرتے ہی آپ پونا کے مشہور اسکول نیو انگلش اسکول میں ماسٹر ہو گئے اسکے بعد آپ فرگیوسن کالج پونا میں پروفیسر ہو گئے۔

انپورنا۔ کالج میں آپ کو کیا تنخواہ ملتی تھی؟

باپ۔ یہ صرف ۷۵ روپیہ ماہانہ پر کام کرتے تھے۔ طالب علموں اور پروفیسروں میں آپ کی بہت عزت ہوتی تھی آپ اپنے طالبعلموں کو اپنا چھوٹا بھائی مانتے تھے اور ہمیشہ اُن میں ملکی محبت اور خدمت کے اچھے خیالات پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آئندہ انھیں نوجوانوں کے ہاتھ میں ہندوستان کی خدمت ہوگی۔ ۱۸۸۷ء میں آپ کی ملاقات جسٹس رانا ڈے سے ہوئی۔ رانا ڈے نے آپ کی عادتوں کو خوب پہچان لیا اور اپنا شاگرد بنا لیا تھا۔ جیسا استاد تھا

ہمارے رہنما



گوپال کرشن گوکھلے

شاگرد بھی مل گیا۔

انپورنا۔ شاگرد و استاد نے ملکر کیا کام کیا؟

باپ۔ اپنے گرو رانا ڈے کی رائے سے آپ نے دکن شکشا سمیتی کا کام بڑی محنت سے کیا۔ پونا کے سدھارک اخبار کے ایڈیٹر رہے اور ۱۸۹۵ء میں کانگریس کے صدر ہو گئے۔ ہندوستان کے اخراجات کو جانچ کرنے کیلئے جو ویلبی کمیشن مقرر ہوا تھا اُسکے سامنے آپ نے بڑے معرکہ کی گواہی دی۔ پھر آپ بمبئی کونسل کے ممبر ہو گئے۔ کونسل میں آپ کی تقریروں کو سُنکر سب لوگ حیرت میں رہ جاتے تھے۔ ۱۹۰۵ء میں آپ وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہو گئے۔

شانتی۔ وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہوکر آپ نے ملک کیلئے کیا کیا؟

باپ۔ کوشش کرکے نمک کا محصول کم کروایا۔ لارڈ کرزن کے بلوہ دبانے کے قانون کی بہت زوروں سے مخالفت کی اور ہر سال کونسل کے سامنے یہ بات پیش کی کہ ہندوستان کے تمام بچوں کو پرائمری تعلیم (ورناکیولر کے درجہ چہارم تک کی تعلیم) سرکار کی طرف سے مفت ملنا چاہیئے۔ مگر سرکار روپیہ کی کمی کا بہانہ کرکے ٹالتی رہی۔ اور یہ اس کام میں کامیاب نہ ہوسکے۔

شانتی۔ پتا جی۔ یہ لارڈ کرزن کون تھے؟

باپ۔ ہندوستان کے وائسرائے تھے۔ درحقیقت بہت قابل وائسرائے تھے لیکن ہندوستانیوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ بنگالیوں کو

دبانے کیلئے انھوں نے بنگال کے دو حصے کر دیئے تھے۔ اسی پر بگڑ کر بنگالیوں نے انگریزوں پر چھپ کر بم پھینکے بدیشی مال کا بائیکاٹ اور سودیشی کا پرچار کیا۔ جوش میں بعض جگہ تو بدیشی مال کی دوکانوں کو آگ لگا دی۔

شانتی۔ پھر لارڈ کرزن نے کیا کیا؟

باپ۔ اُس نے بنگال میں بڑے زور سے دھر پکڑ شروع کر دی کسی کو قید کسی کو کالا پانی اور کسی کو پھانسی دے دی۔ بنگال کا کوئی گھر ایسا نہ بچا کہ جسکا کوئی آدمی نہ پکڑا گیا ہو مگر یہ تحریک نہ دبی جب تک کہ شہنشاہ جارج پنجم نے ۱۹۱۱ء دہلی کے دربار میں بنگال کے دونوں حصوں کو ملا کر ایک نہ کر دیا۔

انپورنا۔ تب تو لارڈ کرزن کی مہاتما گوکھلے سے بہت نوک جھوک رہتی ہوگی؟ کیونکہ یہ دونوں ہی قابل تھے۔

باپ۔ سنا ہے لارڈ کرزن نے ہندوستان سے جاتے وقت کہا تھا کہ ہندوستان میں گوکھلے جیسا قابل آدمی میرے سامنے نہیں آیا ان کا کہنا ٹھیک ہی تھا۔ لارڈ کرزن کے بنائے ہوئے ہندوستان کی آمد و خرچ کے سالانہ بجٹ میں غلطیاں نکال دینا مہاتما گوکھلے کا ہی کام تھا۔ ۱۹۰۵ء میں مہاتما گوکھلے ہندوستان کی طرف سے کانگریسی تبلیغ کرنے ولایت گئے۔ وہاں انھوں نے تقریروں کے ذریعہ اور مضامین لکھ کر تہلکا مچا دیا۔ اسی سال ملک نے آپ کو بنارس کانگریس کا صدر چنا۔

۱۹۰۵ء میں بنارس کانگریس نے لارڈ کرزن کی حکومت کو اورنگ زیبی سلطنت بتایا تھا۔ اور ساتھ ہی ملک سے یہ استدعا کی تھی کہ سودیشی کا استعمال اور بدیشی کا بائیکاٹ کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ سودیشی کا پرچار کرنے والے مہاتما گوکھلے ہی ہیں اور ۱۹۰۵ء سے ہی سودیشی پرچار نے زور پکڑا۔

انپورنا۔ پتاجی۔ مہاتما گوکھلے نرم تھے یا گرم؟

باپ۔ یہ نہ گرم تھے اور نہ نرم کیونکہ یہ سرکار سے ملکر بھی کام کرنا چاہتے تھے اور موقع پاکر سخت مخالفت بھی کرتے تھے۔ مگر یہ نرم جماعت کے ہی رہنما مانے جاتے تھے۔ گرم جماعت کے رہنما لوکمان تلک تھے۔ اصل میں مہاتما گوکھلے اور لوکمان تلک دونوں ہی ہندوستان کے خیر خواہ تھے۔ لیکن دونوں کے کام کرنے کا علیحدہ علیحدہ طریقہ تھا۔ جب مہاتما جی نے افریقہ میں انگریزوں کے خلاف ستیہ گرہ شروع کیا تھا تو آپ نے ہندوستان سے لاکھوں روپیہ جمع کرکے مہاتما جی کی مدد کیلئے بھیجا تھا۔

انپورنا۔ تو مہاتما جی بھی مہاتما گوکھلے کی بڑی عزت کرتے ہیں۔

باپ۔ گاندھی جی تو کہتے ہیں میرے نظامی زندگی پر سب سے زیادہ اثر گوکھلے کا ہی پڑا ہے۔ گوپال کرشن گوکھلے کا خیال تھا کہ ملکی خدمت کا خیال جب ہی اچھی طرح ہو سکتا ہے جب ایسے ہونہار لائق۔ نوجوان ملکی خدمت میں لگیں جو اپنا تمام وقت ملکی خدمت کیلئے دیتے ہوں مگر ان لوگوں کی گزر کا انتظام ضرور ہونا چاہئے۔ اسی خیال سے

آپ نے ۱۲ ارجون ۱۹۰۵ء کو بھارت سیوک سمیتی قائم کی تھی۔

انپورنا۔ یہ جماعت کیا کام کر رہی ہے اور ان میں کون لوگ ہوتے ہیں

باپ۔ اس جماعت کا خاص مقصد ملکی خدمت کرنا ہے۔ ہندوستان کے لوگوں میں آپسمیں محبت بڑھانا تعلیم کا پرچار کرنا۔ اچھوت ادھار کرنا اور سب کام جن سے ملک کا بھلا ہو کرنا ہے۔ ان میں وہی ہندوستانی شامل ہوتے ہیں جو تھوڑے خرچہ میں ملک کی خدمت کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ یہ لوگ جب تک اس جماعت میں کام کرتے ہیں اپنے لئے اور کوئی ذریعہ آمدنی نہیں پیدا کر سکتے ہیں تنخواہ کے علاوہ تمام آمدنی سمیتی (جماعت) ہی کو دینا پڑتی ہے۔ سونا مٹھ بابا ڈھکر۔ پنڈت ہردے ناتھ جی کنزرو۔ پنڈت شری رام جی باجپئی وغیرہ ملکی خادم اسکے ممبر ہیں۔ مگر جماعت کے کل ممبروں کی تعداد تقریباً ۳۰ کے قریب ہے۔

شانتی۔ کیا مہاتما گوکھلے بھی اس جماعت کے ممبر تھے؟

باپ۔ اگر وہ ممبر نہ ہوتے تو دوسروں سے ممبر ہونے کے لئے کون کہتا۔ ان کی زندگی بھر میں ۷۵ روپیہ ماہوار کا خرچہ ہوتا تھا۔ آپ کی زندگی درحقیقت بہت ہی سادہ اور تیاگی تھی۔ آپ کہا کرتے تھے میں ۷۵ روپیہ ماہوار خرچ کرتا ہوں یہ تو بہت زیادہ ہے کیونکہ ہمارے بہت سے بھائیوں کو دونوں وقت بھر پیٹ کھانا بھی نہیں ملتا۔ ایک بار سرکار نے آپ کو سر کا خطاب دینا چاہا جسے آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔

شانتی۔ ...

دیتے ہیں۔

باپ۔ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ مگر مہاتما گوکھلے کی زندگی کا مقصد تھا پبلک کی خدمت کرنا۔ اور وہ اس بات کو اچھی طرح سے جانتے تھے کہ پبلک ان خطابوں کو بُری نگاہ سے دیکھتی ہے اس خطاب سے اگر پبلک کو میرا بھروسہ جاتا رہا تو وہ میری بات نہ مانیں گے اور میرا کام چوپٹ ہو جاوے گا۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ بہت زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے اس پاک روح کی وفات ۱۹ر فروری ۱۹۱۵ء کو کم عمری میں ہی ہو گئی۔ مہاتما گوکھلے کی موت کی خبر سُنکر ہندوستان کے سرکاری اور غیر سرکاری تمام اسکول۔ دفاتر اور کچہریاں بند ہو گئیں۔ جس وقت لوکمان تلک کو آپ کی وفات کا حال معلوم ہوا تو وہ پونا سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں تھے وہ آپ کا آخری دیدار کرنا چاہتے تھے کوئی سواری نہیں ملی تو ۱۴ میل دوڑے آئے فوراً شمشان پہونچے لوگ گوکھلے کی لاش کو چتا پر رکھ چکے تھے اور آگ لگانا ہی چاہتے تھے لوگوں نے لوکمان تلک کو دیکھ کر تالیاں بجائیں۔ لوکمان نے روتے ہوئے کہا "ابھی تک تو ہم بدقسمت ہندوستانیوں کو رونا اور ہنسنا بھی نہیں آیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں مہاتما گوکھلے کا کٹر مخالف رہا ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہوں کہ بھارت ماتا کی گود سے ایک ایسا لال اُٹھ گیا ہے جس کی تلافی مشکل نظر آتی ہے۔"

شانتی اصل میں آدمی تو وہی ہے جسکے آگے اُسکے مخالف سر جھکا دیں

باپ۔ تمہارا کہنا بالکل ٹھیک ہے۔

اب پنڈت مدن موہن مالوی کا بیان ہوگا۔

پنڈت مدن موہن مالوی

باپ۔ بیٹی شانتی! مالوی جی مہاراج کی تمام زندگی ہی ملکی خدمت میں گذری ہے۔ آپ کی عمر گاندھی جی سے زیادہ ہے۔ گاندھی جی آپ کو اپنا بڑا بھائی مانتے ہیں اور آپ کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ ایک بار مہاتما گاندھی بنارس آئے۔ بنارس اسٹیشن پر مالوی جی مہاراج ہندو شب ودیالیہ کے طالب علموں کو لئے آپ کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ مہاتما جی ایک تھرڈ کلاس گاڑی سے اُتر کر یکایک مالوی جی مہاراج کے قدموں پر جا گرے۔ آپ نے فوراً گاندھی جی کو اُٹھایا اور بولے آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟

گاندھی جی نے کہا وہی جو میرا فرض ہے میں اپنے بڑے بھائی ملک کے ایک بڑے خادم، بزرگ برہمن کی تعظیم کر رہا ہوں۔ یہ الفاظ سنکر مالوی جی مہاراج کی آنکھوں سے محبت کے آنسو نکل پڑے۔

شانتی۔ پتا جی۔ گاندھی جی بڑے ہی نرم اور اچھی عادت والے ہیں۔

باپ۔ تب ہی تو دنیا ان کو مہاتما کہتی ہے۔ اصل میں مہاتما وہی ہے جسکو بالکل غرور نہ ہو۔ ہاں مالوی جی کی پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۸۶۱ء کو الہ آباد میں

ہمارے رہنما



مہامنا پنڈت مدن موہن مالوی

پنڈت برج ناتھ جی کے گھر میں ہوئی تھی۔ آپ کے باپ۔ دادا مالوہ سے
آکر الہ آباد میں آباد ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو مالوی جی کہتے ہیں
بالکل اسی طرح جیسے مدراس سے مدراسی۔ لکھنؤ سے لکھنوی اور الہ آباد سے
الہ آبادی۔ آپ بچپن میں گورنمنٹ ہائی اسکول الہ آباد میں پڑھے مگر آپ نے
انٹرنس کلکتہ سے اور ۱۸۸۴ء میں بی۔ اے میور کالج الہ آباد سے پاس کیا تھا۔

شانتی۔ بی۔ اے پاس کر کے آپ نے کیا کیا؟

باپ۔ آپ گورنمنٹ اسکول میں ۵۰ روپیہ ماہوار کے نوکر ہو گئے
پھر آپ اودھ کی کالا کانکر ریاست کے راجہ رام پال سنگھ کے ہندوستان
نام کے روزانہ اخبار کے ایڈیٹر ہو گئے اور ۲۵۰ روپیہ ماہوار پر ملازم ہوئے
آپ کی لیاقت کی بدولت الہ آباد کے مشہور وکیل اجودھیا ناتھ جی
کنزرو آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ کی رائے سے آپ نے
۱۸۹۱ء میں وکالت پاس کر لی اور دو سال کے بعد وکالت شروع بھی کر دی

شانتی۔ تو مالوی جی مہاراج وکالت بھی کرتے ہیں؟

باپ۔ نہیں۔ وکالت تو شروع میں اپنے خرچ کو چلانے کی وجہ سے
کی تھی اُن دنوں میں بھی مالوی جی اپنا سارا وقت وکالت میں نہ لگاتے
تھے۔ آپ کا زیادہ وقت تو ملکی خدمت میں ہی صرف ہوتا تھا۔ آپ کو
طالب علمی کی ہی حالت سے ملکی خدمت کرنے کا شوق تھا۔ ۱۸۸۶ء میں
مالوی جی پہلے کلکتہ کانگریس میں شامل ہوئے۔ کانگریس میں آپ کی تقریر
سنکر لوگ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے کئی بار خوشی سے تالیاں بھی

بجائیں یہ ۱۹۰۷ء کی سورت کانگریس میں نرم گروہ کے ساتھ رہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی لیاقت کا سکہ ملک کے بڑے بڑے لوگوں پر بھی جم گیا۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں آپ ہی لاہور کانگریس کے صدر چنے گئے۔

انپورنا۔ تو مالوی جی کانگریس کے بہت پرانے کام کرنیوالے ہیں۔

باپ۔ اس میں شک ہی کیا ہے۔ کانگریس کے بہت سے کام کرنے والوں نے کانگریس میں کچھ اختلاف رائے ہو جانے کی وجہ سے کانگریس کو خیر باد کہہ دیا۔ مگر آپ نے کئی بار کانگریس سے اختلاف رائے کیا لیکن کانگریس کو نہ چھوڑا۔ آپ کہتے ہیں کہ کانگریس تو میری والدہ ہے جس طرح بچہ اپنی والدہ (ماں) کو نہیں چھوڑ سکتا بس اسی طرح میں اپنی ماں کانگریس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ کا قول ہے کہ کسی بات پر ایما نداری سے اختلاف رائے ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ ہم تمام باتوں میں ملکر کام کرنا چھوڑ دیں۔ اختلاف رائے تو زندگی کی علامت ہے تمام آدمیوں کی ہمیشہ ایک ہی رائے نہیں ہو سکتی۔

انپورنا۔ آپ کا کانگریس سے کن کن باتوں میں اختلاف رائے ہوا

باپ۔ سنہ ۱۹۲۰ء کی تحریک ترک موالات (نان کوا پریشن) میں قریب ۵۰ ہزار ہندوستانی جیلوں میں بند تھے۔ یہاں تک کہ مرحوم پنڈت موتی لال جی نہرو۔ دیش بندھو۔ چیت رنجن داس۔ مولانا محمد علی۔ مولانا ابو الکلام آزاد وغیرہ ملک کے سب چھوٹے بڑے رہنما جیلوں میں مسڑ رہے تھے۔ انھیں دنوں میں ولیعہد بادشاہ ہندوستان کی سیر کو آئے تھے۔ سارے ملک میں

نو دروں سے شاہزادے کا بائیکاٹ ہوا۔ انھیں جگہ جگہ کالے جھنڈے دکھائے مگر مالوی جی نے بڑی دھوم دھام سے بنارس ہندو یونیورسٹی میں شاہزادے کو خوش آمدید کہا۔ ۱۹۲۱ء میں کانگریس نے کونسلوں کا بائیکاٹ کیا اور ۱۹۲۳ء میں کانگریس والے آزاد پارٹی بنا کر کونسلوں کو برباد کرنے کیلئے کونسلوں میں پہونچے مگر مالوی جی ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۰ء تک اسمبلی میں برابر ڈٹے رہے۔

شانتی۔ یہ کام تو مالوی جی نے ٹھیک نہیں کیا۔

باپ۔ تمھاری رائے میں ٹھیک نہیں کیا۔ اپنی رائے میں تو ٹھیک کیا۔ مالوی جی میں ایک خاص بات ہے اور وہ یہ کہ جس بات کو ٹھیک خیال کرتے ہیں ضرور کرتے ہیں۔ دنیا کی چنداں پرواہ نہیں کرتے اسلئے لوگ انھیں نرم کہتے ہیں مگر وہ کوہ آتش فشاں کی طرح گرم بھی ہیں اُنھوں نے سرکار کے حکموں کا کئی بار بڑی ہمت سے مقابلہ کیا۔

انپورنا۔ سرکار کے حکموں کا کب مقابلہ کیا؟

باپ۔ یکم اگست ۱۹۳۰ء کو آپ بمبئی میں تھے۔ لوکمان تلک کی برسی کا جلوس نکالنا بمبئی کے پولیس کمشنر نے بند کر دیا تھا۔ جلوس نکلا اور آپ اُسکے پیشوا (آگے) تھے۔ پولیس کپتان مسٹر گاڈون نے کہا۔ یہ جلوس غیر قانونی ہے اسلئے آگے نہیں جا سکتا۔ مالوی جی نے کہا تو ہم بھی یہیں کھڑے رہیں گے۔ پولیس کپتان نے پوچھا کب تک۔ آپ نے کہا مرتے دم تک۔ اسپر پولیس کپتان نے گرفتار کر لیا۔ آپ کو [illegible] روپیہ جرمانہ یا

۱۵ دن کی قید منظور کرنا پڑی آپ بخوشی جیل گئے۔ آپ کے کسی ہمدرد نے چپ چاپ ۱۰۰ روپیہ جرمانہ ادا کر دیا اور آپ چھوڑ دیے گئے۔ مگر چھوٹنے کے بعد آپ اُس آدمی پر بہت ناراض ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۰ء کی ستیہ گرہ کی تحریک میں تو آپ نے کئی مرتبہ سرکار کے حکموں کو توڑا اور کئی مرتبہ جیل گئے۔ ایک مرتبہ بنگال کے گورنر نے مالوی جی کو کلکتہ جانے سے روکا تھا۔ مگر آپ کلکتہ گئے اور گورنر منھ تکتا رہ گیا۔

انپورنا۔ ہمیں تو آج ہی معلوم ہوا کہ مالوی جی اتنے گرم بھی ہیں۔

باپ۔ واقعی مالوی جی مہاراج کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ وہ انوکھے تیاگی ہیں۔ وہ بہت ہی سوچنے والے ہیں۔ اُن کی زبان سحر آمیز ہے۔ اگر وہ دل سے تقریر کرتے ہیں تو خود بھی رو دیتے ہیں اور سننے والوں کی بھی ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔ ان کی تقریر سننے والے سے دل و جان و روپیہ پیسہ ہر چیز کی قربانی کرا سکتی ہے اسمبلی میں چھ چھ گھنٹے تک مالوی جی نے سرکار کے سالانہ بجٹ پر سخت سے سخت نکتہ چینی کی۔ سرکار بھی مالوی جی مہاراج کا لوہا مانتی ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ ملک کے رہنماؤں پبلک اور سرکار میں مالوی جی کی بڑی عزت ہے۔

انپورنا۔ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء میں بنارس میں مالوی جی کی ۷۰ ویں سال گرہ منائی گئی تھی۔

انپورنا۔ ہاں پتا جی۔ بنارس یونیورسٹی میں بڑی دھوم دھام سے جلسہ ہوا تھا۔ میں تو اُس جلسے میں حاضر تھی

باپ۔ اُس جلسہ میں بہت سی انجمنوں نے اس موقع پر مبارکبادی کے خطوط بھیجے اور ایشور سے مالوی جی کی زیادتی عمر کی دعا مانگی لیکن بنارس یونیورسٹی کے طالب علموں کا رقعہ مبارکباد جوش پیدا کرنے والا تھا۔ انھوں نے اپنے رقعہ مبارکبادی میں لکھا تھا۔ جناب من۔ آج ہمارے ہندوستان کی سیاسی ناؤ زمانہ کے تھپیڑوں سے ڈگمگا رہی ہے۔ ہمارے سبھی رہنماؤں کو جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا کی سب سے بڑی ہستی مہاتما گاندھی کو بھی جیل کی چار دیواری کے اندر بند کر دیا ہے ہمارے بوڑھے کپتان! ہماری ڈگمگاتی ناؤ کے عقلمند ناخدا! تمام ملک آپ ہی کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آپ ہمیں راستہ دکھائیے ہم کیا کریں! ہم کہاں جائیں۔

انپورنا۔ مالوی جی نے بھی تو کھڑے ہو کر تقریر کی تھی۔

باپ۔ ہاں اُنھوں نے تمام مبارکبادی کے خطوط کا جواب ایک ساتھ دیا تھا۔ آپ نے کہا تھا آپ لوگوں نے ایشور سے میری زندگی زیادہ ہونے کی سفارش کی ہے اسلئے میں آپ لوگوں کا بہت ممنون ہوں۔ میں بھی بہت دنوں تک زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ کس لئے؟ اسلئے نہیں کہ خوب کھاؤں۔ پیوں۔ بلکہ اسلئے کہ میں اپنے بھارت ماتا (مادر وطن) کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکوں۔ مجھ میں مہاتما گاندھی جیسا تپ و تیاگ نہیں ہے وہ تو مہاتما ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اپنی حیات میں اپنے ملک کی سیوا سچے دل سے کرنے کی کوشش کی ہے

اور میری ایشور سے یہی درخواست رہتی ہے کہ پربھو! تو مجھے اُسی وقت تک زندہ رکھنا جب تک میرے دل میں ملک کی خدمت کے خیالات زندہ رہیں اور اگر میرے دل میں کبھی کوئی ایسا خیال پیدا ہو کہ جس سے میری بھارت ماتا (مادر وطن) کے سفید و شفاف آنچل میں سیاہی کا دھبہ لگنے کی امید ہو تو مجھے اُسی دم اس دنیا سے اُٹھا لینا اور میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک ہندوستانی کی ایشور سے یہی آرزو ہو۔

ایسا کہتے کہتے مالوی جی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی قطار بہ نکلی اور سننے والوں کی بھی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

شانتی۔ پتا جی! مالوی جی نے ملک کی اور کیا کیا خدمات انجام دیں؟

باپ۔ کہاں تک گناؤں۔ الہ آباد کے انگریزی اخبار لیڈر کو قائم کرانے میں آپ کا بہت زبردست ہاتھ تھا۔ الہ آباد کا ہندو ہوسٹل انھیں کا قائم کیا ہوا ہے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی انھیں کی کوششوں کا جیتا جاگتا نمونہ ہے اور مارشل لا کے دنوں میں جب اور دوسرے رہنما پنجاب میں قدم رکھتے گھبراتے تھے تب آپ نے ہی پنڈت موتی لال جی کے ساتھ پہونچ کر پنجابیوں کو مدد پہونچائی تھی۔ آپ مہاتما گاندھی کے ساتھ گول میز کانفرنس میں لندن بھی گئے تھے۔ گاندھی اِروِن صلح کرانے اور پونا میں ہریجنوں (اچھوتوں) کا سوال حل کرنے کے لئے بھی آپ سب سے آگے تھے۔ مالوی جی کی تو ساری زندگی ملکی خدمت میں ہی گذری ہے۔

شانتی۔ مالوی جی ایسے تو شانتی دھرمی ہیں نا؟

باپ۔ ہاں وہ سناتن دھرمی ہیں لیکن ساتھ ہی اصلاح کی باتوں میں آریہ سماجیوں سے کسی طرح کم نہیں۔ آپ اچھوت کہے جانے والے لوگوں کو منتر پڑھاتے ہیں۔ انھیں مندروں دیوتاؤں کے درشن کرنے کا موقع دیتے، اسکولوں کنوؤں۔ جلسوں اور سبھاؤں میں شامل کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ چھوٹی عمر کی بیواؤں کی پھر سے شادی کرنے کو آپ ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کٹر سناتنی مالوی جی کو بہت بُرا بھلا کہتے ہیں اتنا ہی نہیں بلکہ کئی مرتبہ تو لوگوں نے آپ پر حملے بھی کئے ہیں مگر ان باتوں کی ذرا بھی پروانہ کرتے ہوئے آپ ملکی خدمات انجام دینے میں جیوں کے تیوں لگے ہوئے ہیں۔

شانتی۔ اب تو مالوی جی بہت ہی بوڑھے ہو گئے ہیں۔ اب انھیں آرام کرنا چاہئے۔

باپ۔ ہاں اب ان کے آرام کے دن ہیں۔ ویسے ان کی تندرستی خراب ہو چلی ہے۔ لیکن اس عمر میں بھی موقع ملتے ہی ملک کی بھلائی کے کام میں حصہ لیتے ہیں۔ ہم ۳۵ کروڑ ہندوستانیوں کو ان کا سہارا ہے ایشور ان کی عمر دراز کرے۔

اچھا اور کل .... نمستے۔

انپورنا و شانتی۔ پتاجی نمستے۔

شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے جی

باپ۔ انپورنا! آج میں تم کو شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے جی مرحوم کے بارے میں بتاؤں گا۔ لالہ لاجپت رائے بھی ہمارے ملک کے اُن چیدہ خیر خواہوں میں سے ہیں جنھوں نے ملک کی خدمت کو ہی اپنا مذہبی فرض سمجھ رکھا تھا۔ ملکی خدمت کا ایسا کوئی کام نہ تھا جس میں لالہ جی نے حصہ نہ لیا ہو۔ کبھی یتیم خانے کھولتے تھے اور کبھی اچھوت ادھار میں لگ جاتے تھے کبھی قحط زدہ لوگوں کی مدد کرنے کیلئے مارے مارے پھرتے رہتے تھے اور کبھی سیاسی تحریک کیلئے رات دن ایک کر دیتے تھے۔ آپ کی زبان و قلم دونوں میں جادو کا اثر تھا۔ آپ کی تقریریں سننے اور آپ کے مضامین پڑھنے سے ہر ایک کے دل میں جوش پیدا ہو جاتا تھا۔

آپ کی پیدائش ۲۸ جنوری ۱۸۶۵ء کو صوبہ پنجاب کے لدھیانہ ضلع کے ڈوڈی گاؤں میں لالہ رادھا کرشن جی کے گھر میں ہوئی تھی۔ آپ نے لدھیانہ مشن اسکول سے ۱۵ سال کی عمر میں انٹرنس پاس کیا اور یہیں سے وظیفہ پاکر لاہور میں ایف۔ اے اور مختاری کا امتحان پاس کیا۔ مختاری آپ نے گجرات اور روہتک میں ہی کی تھی مگر وکالت پاس کرنے پر آپ حصار میں وکالت کرکے ۱۸۹۲ء میں لاہور چلے آئے۔ وہاں آپ نے بغیر کسی تنخواہ کے اینگلو ویدک کالج میں پروفیسری اور منیجری کا کام کیا صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ نے اپنے گاؤں جگراؤں میں اپنے والد

ہمارے رہنما



پنجاب کیسری لالہ لاجپت رائے

نام پر رادھا کرشن ہائی اسکول کھولا اور اسکے علاوہ پنجاب میں بہت سی جگہوں پر پرائمری اسکول بھی کھولے۔

انپورنا۔ لالہ جی کو جوانی ہی سے ملک کی بھلائی کرنے کا شوق تھا۔

باپ۔ ہاں یہ تو ان کا عقیدہ ہو گیا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں کانگڑا میں زبردست زلزلہ آیا لوگوں کا بہت نقصان ہوا۔ لالہ جی نے بہت سے آدمیوں کے ساتھ گاؤں گاؤں میں جا کر لوگوں کی مدد کی۔ لالہ جی کو کانگریس کے بارے میں اپنے والد صاحب سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ اسلئے یہ پہلے پہل ۱۸۸۸ء میں الہ آباد کانگریس میں شامل ہوئے اس کانگریس میں آپ نے کونسلوں کو سدھارنے پر ایک بہت زبردست لکچر دیا۔ اس لکچر کی سننے والوں نے بہت تعریف کی۔ تب سے آپ کانگریس کے ایک بہت جوشیلے کام کرنے والے ہو گئے۔ آپ ۱۹۰۵ء و ۱۹۱۰ء میں دو مرتبہ ہندوستانی ڈپوٹیشن کے ساتھ انگلستان بھیجے گئے۔

انپورنا۔ وہاں جا کر آپ نے کیا کام کیا؟

باپ۔ جلسوں میں تقریریں کر کے اور اخباروں میں مضامین دے کر ہندوستان کی اصلی حالت بیان کی انھیں دنوں میں یورپ میں جنگ عظیم شروع ہو گئی تھی۔ آپ نے ہندوستان جانے کی اجازت مانگی لیکن سرکار نے آپ کو خطرناک خیال کر کے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ آپ امریکہ چلے آئے وہاں آپ نے انڈین ہوم رول لیگ قائم کی اور ینگ انڈیا نام کا ہفتہ وار اخبار بھی نکالا۔ اسکے بعد لالہ جی نے

ہندوستان کے بارے میں بہت سی کتابیں بھی لکھیں۔ اس سب کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے امریکن کو ہندوستان کے ساتھ ہمدردی ہو گئی۔ ۲۰ر فروری سنہ ۱۹۲۰ء کو لالہ جی کو ہندوستان آنے کی اجازت ملگئی۔ کیونکہ آپ اپنے مادر وطن کی آزادی کی جنگ میں حصہ لینے کیلئے بے چین ہو رہے تھے اسلئے حکم ملتے ہی فوراً ہندوستان آئے۔

شانتی۔ پتاجی۔ سرکار لالہ جی کو خطرناک آدمی کیوں خیال کرتی تھی؟

باپ۔ بیٹی۔ غیر ملکی سرکار اپنے ماتحت ملک کے ایسے ہر ایک آدمی کو خطرناک خیال کرتی ہے جنکے دلوں میں اپنے ملک کا درد ہوتا ہے۔ اور پھر لالہ جی تو سرکار کی آنکھوں میں ملزم تھے ہی۔ سودیشی تحریک میں حصہ لینے کی وجہ سے سنہ ۱۹۰۷ء میں آپ لاہور سے مانڈلے جیل میں بھیجدیے گئے وہ وقت نہایت ہی نازک تھا۔ کیونکہ لالہ جی آریہ سماجی تھے اسلئے سرکار ہر آریہ سماجی کو شک کی آنکھ سے دیکھ رہی تھی۔ ڈرپوک آریہ سماجیوں نے رجسٹروں سے اپنا نام کٹوا دیا۔ مل کے سودیشی کپڑے پہننے والوں پر بھی پولیس سخت نگاہ رکھتی تھی۔ جس دن لالہ جی کو ملک سے نکالا گیا اُس دن لاہور میں جیٹھ کی گرمیوں میں انگریز لوگ پہلے سے ہی اسپشل ٹرین میں سوار ہو گئے تھے۔

شانتی۔ یہ کیوں؟

باپ۔ اسلئے کہ اگر بلوہ ہو گیا تو ریل سے سیدھے بمبئی اور وہاں سے جہاز میں ولایت کو روانہ ہو کر اپنی جان بچا لیں گے۔

شانتی۔ پتا جی۔ اتنی بڑی انگریزی سرکار نے یہ بات تو بچوں کی سی کی؟

باپ۔ تمہارا کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ سرکار کے پاس لاکھوں فوج، سپاہی، توپ اور بندوقیں تھیں ادھر ہندوستانی بغیر ہتھیار کے اور پھر آپس میں ایک دوسرے کے دشمن۔ ایسی حالت میں سرکار کا ڈرنا بیکار تھا۔

انپورنا۔ ہندوستان میں لوٹ کر لالہ جی نے کیا کام کیا؟

باپ۔ ستمبر ۱۹۲۰ء میں گاندھی جی نے ملک کے روبرو ستیہ گرہ کا پروگرام پیش کیا۔ اس پر غور کرنے کیلئے کلکتہ میں کانگریس کا ایک خاص اجلاس منعقد ہوا۔ سب نے ایک رائے ہو کر لالہ جی ہی کو اپنا صدر چُنا۔ لالہ جی کو اس ستیہ گرہ پر بھروسہ نہ تھا اسلئے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ پروگرام کامیاب نہیں ہو سکتا مگر جب ناگپور میں یہ پروگرام مان لیا گیا تو آپ بھی اس تحریک میں حصہ لینے لگے۔ آپ نے پنجاب میں ایک قسم کی آگ سی لگا دی۔ آپ نے اپنے ہی سرمایہ سے پنجاب میں ایک نیشنل کالج کھولا یہ کالج بعد میں بند ہو گیا مگر ملک کو اس سے بہت فائدہ ہوا۔ اس سے نکلے ہوئے تقریباً تمام طالب علموں نے اپنی زندگی ملکی خدمات کے لئے وقف کرنے کا حتمی ارادہ کر لیا۔

انپورنا۔ تو سرکار نے لالہ جی کو بھی ستیہ گرہ کرنے میں گرفتار کر لیا ہو گا۔

باپ۔ یہ تو ستیہ گرہ کرنے میں سب سے پہلے اور کم سے کم سزا تھی۔ اس تحریک میں کئی مرتبہ آپ کو جیل میں جانا پڑا۔ لیکن اپنے ارادے سے باز نہیں آئے آخر ... آپ کو ... تب ... ہو گئی۔ لوگوں نے

بہت کچھ کوشش کرنے پر آپ کو ۱۶ اگست ۱۹۲۳ء کو جیل سے چھوڑ دیا۔ ۱۹۲۳ء کے آخر میں آپ کانگریس سوراج پارٹی کی طرف سے وائسرائے کی اسمبلی میں چنے گئے مگر دو ہی سال بعد آپ نے اس پارٹی سے اختلاف رائے کیا۔ ۱۹۲۶ء کے انتخاب میں مالوی جی سے ملکر کانگریس نیشلسٹ پارٹی قائم کی اور اسی پارٹی کی طرف سے آپ اسمبلی میں چنے گئے۔

انپورنا۔ کیا اس انتخاب میں آپ کو کانگریس سے کچھ اختلاف تھا؟

باپ۔ اختلاف رائے نہوتا تو دوسری پارٹی ہی کیوں بنائی جاتی۔ اس انتخاب میں کانگریس کے رہنما پنڈت موتی لال جی نہرو اور لالہ لاجپت رائے نے ایک دوسرے پر فقرے بھی کسے مگر انتخاب کے بعد دونوں ایسے ملے کہ زندگی بھر علیحدہ نہ ہوئے۔ انھیں دنوں لالہ جی نے پنڈت موتی لال جی کے بارے میں کہا تھا کہ پنڈت موتی لال بہادر ہے وہ بہادر کی طرح ظاہری لڑائی لڑتا ہے۔ بزدل کی طرح چھپ کر نہیں۔ اسلئے پنڈت جی کی میں بہت عزت کرتا ہوں مجھ میں اور اُن میں اختلاف رائے کیوں نہ ہو مگر میرے دل میں جو عزت پنڈت جی کی ہے ہمیشہ قائم رہے گی۔ اسی بات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ لالہ جی کیسے دریا دل تھے۔

انپورنا۔ پتا جی۔ لالہ جی نے کون کونسی کتابیں لکھی ہیں؟

باپ۔ ان کی لکھی ہوئی خاص خاص کتابیں میزنی۔ گیربالڈی۔ سری کرشن۔ شیواجی۔ دیر ویراگی۔ بندا اور مس میو کی مدر انڈیا کتاب کا دندان شکن جواب (ان ہیپی انڈیا یا مصیبت زدہ ہندوستان) ہیں انکے

علاوہ لالہ جی نے اُردو میں بندے ماترم اور انگریزی میں پیوپل ہفتہ وار اخبار بھی نکالا جو آجتک لالہ جی کی قائم کی ہوئی سروینٹس آف پیوپل سوسائٹی کی طرف سے چل رہا ہے۔

انپورنا۔ پتا جی۔ یہ سوسائٹی کیا ہے؟

باپ۔ یہ مہاتما گوکھلے کی قائم کی ہوئی سوسائٹی کی طرح ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اس سوسائٹی کے تمام ممبر سیاسی کام کرتے ہیں۔ لالہ جی نے اس سوسائٹی کو قائم کیا تھا یہ لالہ جی کی زندہ یادگار ہے۔ ممالک متحدہ کی اسمبلی کے صدر جناب پرشوتم داس جی ٹنڈن اسکے صدر تھے اسکے علاوہ ممالک متحدہ اور پنجاب میں اس سوسائٹی کے کچھ ممبر کام کر رہے ہیں۔ ہمارے یہاں کے کمار آشرم کے منتظم پنڈت بلدیو چوبے بھی اسی سوسائٹی کے ایک ممبر تھے۔

انپورنا۔ پتا جی۔ لالہ جی کی وفات کب ہوئی؟

باپ۔ آپ کی وفات کے بارے میں مت پوچھو۔ وہ ایک معمولی موت نہ تھی۔ اس میں ایک خصوصیت تھی وہ موت ایسی تھی جیسے ایک لڑائی میں لڑتے ہوئے ایک بہادر سپاہی کی ہوتی ہے۔ ۱۹۲۸ء میں برٹش سرکار نے سائمن کمیشن مقرر کر دیا۔ مگر اس میں کوئی بھی ہندوستانی ممبر نہ تھا ملک کے تمام آدمیوں نے ایک رائے ہو کر اس کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ جہاں جہاں سائمن کمیشن گیا اُسکو کالے جھنڈے دکھائے گئے اور سائمن واپس جاؤ کے نعروں سے ان کا استقبال کیا۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو

سائمن کمیشن لاہور پہونچا۔

انپورنا۔ وہاں اسکا استقبال کس طرح ہوا؟

باپ۔ لاہور کی پولیس نے دفعہ ۱۴۴ لگا کر سب طرح کے جلسوں اور جلوسوں کو منع کر دیا مگر پنجاب کے شیر کے ہوتے ہوئے بائیکاٹ کیسے نہ ہوتا۔ لالہ لاجپت رائے نے جلوس نکالا اور خود سب سے آگے چلے۔ پولیس کے افسر یہ دیکھ کر بہت برہم ہوئے اور انھوں نے جلوس پر لاٹھی برسانی شروع کر دی لالہ جی کی چھاتی پر بھی کئی لاٹھیاں پڑیں۔ یہ دیکھ کر پنجاب کے ملکی خیر خواہ رائے زادہ ہنس راج فوراً ہی آگے بڑھے اور انھوں نے لاٹھیوں کو اپنے اوپر روک لیا۔ لالہ جی جلوس سے تو نہ ہٹے مگر اس بے عزتی کی چوٹ کا ان کے دل پر وہ زخم کاری لگا کہ ۱۷ نومبر ۱۹۲۸ء کی صبح ۷ بجے ان کی وفات ہو گئی۔ لالہ لاجپت رائے دنیا کی سخت سے سخت تکلیفوں کو برداشت کر سکتے تھے مگر اپنی عزت اور ملکی عزت کو ذرا سی ٹھیس لگتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ چوٹ لگنے کے بعد آپ نے اسمبلی میں کہا تھا۔ میرے جسم پر پڑی ہوئی ایک ایک چوٹ برٹش سلطنت کے کفن کی کیل ہو گی۔ لالہ جی کے یہ الفاظ بھولے نہیں جا سکتے کیونکہ یہ ضربیں لالہ جی پر نہیں پڑیں بلکہ مادر وطن کی چھاتیوں پر پڑی تھیں۔ یہ چوٹیں ہمیں یاد دلاتی رہیں گی کہ غلام قوم کے بڑے سے بڑے رہنما کی اس طرح سے بے عزتی کی جا سکتی ہے۔

شانتی۔ مجھے تو اگر یہ سرکاری باتیں سمجھ میں نہیں آئیں۔ بلا وجہ پبلک کو

اپنے مقابلہ میں کر لیتی ہے۔ جہاں اور شہروں میں سائمن کمیشن کا بائیکاٹ ہوا تھا وہاں لاہور میں بھی ہو جاتا تو کیا ہوتا۔

باپ۔ بیٹی۔ سرکار کی تمام عزت کر کری ہو جاتی۔ دنیا میں عزت کا نام آدمیوں سے کیا کیا کرا دیتا ہے۔ لالہ جی کی خدمتوں کو ہم ہندوستانی کبھی نہیں بھول سکتے ہیں۔ لالہ جی کی یاد میں لاہور کے کمپنی باغ میں لالہ جی کی مورتی کھڑی کی گئی ہے آپ کے رہنے کی جگہ پر بڑا ہی شاندار لاجپت رائے بھون بنایا گیا ہے۔ لوک سیوک منڈل تو آپ کی زندہ یادگار ہے۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں جب لاہور میں کانگریس ہوئی تھی تو کانگریس کے مقام کا نام لالہ جی کے نام سے لاجپت نگر رکھا گیا تھا۔ واقعی لالہ جی ہی ہندوستان کی عزت رکھنے والے تھے۔ اب ہم تمھیں پنڈت موتی لال نہرو کے بارے میں بتائیں گے۔

پنڈت موتی لال جی نہرو

باپ۔ شانتی! پنڈت موتی لال جی ہمارے ہندوستان کے اُن رہنماؤں میں سے ہیں جنھوں نے اپنی تمام شاہی شان و شوکت کو لات مار کر ایک معمولی سنیاسی جیسی زندگی بسر کی اور ہندوستان کی سوراج کی لڑائی میں مرتے دم تک شامل رہے۔

پنڈت موتی لال نہرو کے والد پنڈت گنگا دھر جی دہلی کے کوتوال تھے

پنڈت موتی لال جی ابھی رحم مادر ہی میں تھے کہ والد کی وفات ہو گئی۔ والد کی وفات کے بعد آپ کی پیدائش ۶ رمئی ۱۸۶۱ء کو دہلی میں ہوئی۔ آپ کے بڑے بھائی پنڈت نند لال جی نے آپ کی پڑھائی لکھائی اور دیگر انتظام بہت اچھی طرح کیا۔ بارہ برس کی عمر تک اسلامی مکتب میں عربی فارسی میں دستگاہ حاصل کر کے ۱۸۷۳ء میں آپ کانپور کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں انگریزی پڑھنے کو بھیجے گئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں انٹرنس پاس کر کے آپ الہ آباد کے میور سنٹر کالج میں داخل ہو گئے اور ۱۸۸۲ء میں وہیں وکالت بھی پاس کی۔

شانتی۔ آپ نے الہ آباد میں ہی وکالت شروع کر دی؟

باپ۔ سب سے پہلے تو آپ نے ۱۸۸۳ء میں کانپور میں وکالت شروع کی تھی مگر تین سال کے بعد الہ آباد وکالت کرنے چلے گئے۔ وہاں تھوڑے ہی دنوں میں آپ نے نام پیدا کر لیا اور ایک بنگلہ بھی خرید لیا۔ یہاں تک کہ آپ کی قابلیت کو جج لوگ بھی ماننے لگے آپ نے کانگریس میں بھی کچھ کچھ دلچسپی لینا شروع کر دی۔ مگر زیادہ نہیں۔ کیونکہ آپ اُن دنوں میں نرم گروہ کے آدمی تھے۔

حالانکہ ۱۹۱۳ء تک آپ نے کسی سرگرمی سے کام نہیں کیا تو بھی ملک کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے رہے۔ آپ ممالک متحدہ کی کانفرنس اور کانگریس کمیٹی کے صدر رہے۔ آپ سیوا سمیتی پریاگ کے عہدہ داروں میں سے تھے ۔۔۔ میں آپ اپنے دوستوں کی مدد سے ممالک متحدہ کے

مشہور اخبار لیڈر کو نکلوایا تھا۔ ۵ فروری ۱۹۱۹ء کو بسنت پنچمی کے دن آپ نے انڈیپنڈنٹ (آزادی) اخبار بھی نکالنا شروع کیا تھا۔

شانتی۔ پنڈت موتی لال جی نے سرگرمی سے کب کام شروع کیا؟

باپ۔ یورپ کی جنگ عظیم میں ہندوستان کے انگریزوں کی جان و دل اور روپیہ پیسہ سے مدد کی تھی۔ انگریزوں نے اسکی مدد میں ہندوستانیوں سے بڑے بڑے وعدے کئے۔ مگر جنگ بند ہونے پر ہندوستان کی باقی ماندہ آزادی کو بھی ختم کر دیا اور رولٹ قانون جاری کیا جس کی ہندوستان میں بہت سخت مخالفت ہوئی۔ انگریزوں نے لاہور اور امرتسر کے جلیانوالے باغ میں ہونے والے جلسوں میں حصہ لینے والوں کو گولیوں کا شکار بنایا اور وہاں کے رہنے والوں کو بہت مجبور کیا۔ فوجی قانون جاری کر دیا اور لوگوں کو قید۔ کالے پانی اور پھانسی تک کی سزائیں دیں۔ یہ تمام واقعات ۱۹۱۹ء کے ہیں۔

شانتی۔ پنجابیوں نے اس پر کیا کیا؟

باپ۔ پنجاب کی اُن دنوں بہت بُری حالت تھی۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو۔ ڈاکٹر ستیہ پال وغیرہ رہنماؤں کو جیلوں اور کالے پانی کی سزائیں دے دی گئی تھیں۔ پبلک بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ باہر کا کوئی آدمی پنجاب میں آنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ پنڈت مدن موہن مالوی اور پنڈت موتی لال جی نے پنجاب کی بہت سی خدمات انجام دیں۔

شانتی۔ کیا خدمات انجام دیں؟

باپ۔ لندن میں شاہنشاہ جارج پنجم اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو تار بھیجے۔ یہاں کے اخباروں میں مضمون لکھکر اور جلسوں میں تقریریں کر کے سرکار کی اس روش کو نفرت کی نظر سے دیکھا۔ روپیہ پیسے سے انتہائی مدد کی یہی وجہ تھی کہ ملک نے ایک رائے ہو کر آپ کو ۱۹۱۹ء کی امرتسر کانگریس کا صدر چنا۔ اب آپ کی روش نرم سے گرم ہو گئی۔ کیونکہ پنڈت جی کی عادت تھی کہ وہ کسی قسم کی زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے ۱۹۲۱ء میں ملک میں بہت زور سے تحریک عدم تعاون شروع ہوئی۔ پنڈت موتی لال نے بھی اس تحریک میں زبردست حصہ لیا۔ حق تو یہ ہے کہ ۱۹۲۱ء کی زبردست تحریک عدم تعاون نے پنڈت جی کو سیاسی سنیاسی بنا دیا۔

انپورنا۔ پنڈت جی نے اس تحریک میں کیا کیا؟

باپ۔ آرام کی زندگی کو خیرباد کہہ کر لڑائی کے میدان میں کود پڑے اب تک پنڈت جی انوکھے ولایتی کپڑے زیب تن کیا کرتے تھے اچھا کھانا پینا اور ناچ و رنگ میں مست رہا کرتے تھے سب کو چھوڑ دیا۔ آپ کی زندگی کسی طرح راجہ مہاراجوں سے کم نہ تھی۔ پنڈت جی نے ہزاروں روپیہ کے کپڑے اپنے ہاتھوں سے آگ میں جلا دئے سارا خاندان کھدر کا دیوانہ ہو گیا۔ جس نہرو خاندان نے کبھی موٹر سے زمین پر قدم نہ رکھا تھا۔ اُسکے سبھی مرد۔ عورت ملک کی جنگ آزادی کے والنٹیر ہو کر ہاتھ میں ترنگا جھنڈا لیکر ملک کا کام کرنے لگے۔ ۶ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو پنڈت موتی لال جی شہر الہ آباد کے ...

کرنے کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ جیل میں سردی۔ گرمی کی مصیبتیں سہیں مگر اپنے ارادے سے ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوئے جیل کے اندر سے بھی آپ گاندھی جی وغیرہ دیگر رہنماؤں کو اپنی شرطوں پر جمے رہنے کی صلاح دیا کرتے تھے۔ جیل سے آکر آپ نے کانگریس کے صدر کا کام شروع کر دیا۔

انپورنا۔ کانگریس کی تحریک تو اُن دنوں میں بھی زوروں سے چل رہی ہوگی۔

باپ۔ ۱۹۲۲ء میں ممالک متحدہ کے گورکھپور ضلع کے چوری۔ چورا تھانے کو کسانوں نے جوش میں آکر آگ لگا دی اس میں تقریباً ۲۰ آدمی (پولیس) مر گئے تھے اس تحریک میں شورش دیکھ کر مہاتما گاندھی نے ستیہ گرہ کی لڑائی بند کر دی۔ بہت سے لوگوں نے اس پر گاندھی جی پر شکی ہونے کا الزام لگایا۔ مگر گاندھی جی اپنے عقیدے کے پکے تھے۔

انپورنا۔ گاندھی جی کا کیا عقیدہ تھا؟

باپ۔ گاندھی جی کا عقیدہ تھا شانتی اور اہنسا کے ذریعہ ستیہ گرہ لڑائی لڑنا۔ اہنسا کا خیال آتے ہی انہوں نے لڑائی بند کر دی۔

انپورنا۔ اب کانگریس نے کیا کام شروع کیا؟

باپ۔ کانگریس والے کھدر کا رواج پھیلاتے رہے۔ کانگریس کے ڈھیلے پن کو دور کرنے اور پبلک میں جوش پھیلانے کیلئے ہمارے ملک کے دو بڑے رہنما دیش بندھو داس اور پنڈت موتی لال جی نے سوراج پارٹی بنا کر دوبارہ کونسلوں پر قبضہ کرنے کا تہیہ کیا۔ آپ کی پارٹی کو اس میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی مگر پھر بھی اس پارٹی کے لوگوں نے کونسلوں میں جا کر سرکار کا

مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ پنڈت موتی لال جی وائسرائے کی اسمبلی میں سوراج پارٹی کے صدر رہتے۔ آپ نے پارٹی کے آدمیوں کی تعداد زیادہ نہ ہوتے ہوئے بھی سرکار کو بہت پریشان کیا۔ اسمبلی میں جب آپ بولنے کھڑے ہو جاتے تو سرکاری ممبروں کے پیروں کے نیچے کی زمین نکل جایا کرتی تھی۔

۱۹۲۷ء میں مدراس کی کانگریس میں یہ طے ہوا کہ کانگریس کمیٹی ہندوستان کی سب جماعتوں کے رہنماؤں کی رائے سے ملکی انتظام کی ایک ایسی اسکیم بنائے جو سب جماعتوں کو منظور ہوں۔ اور کانگریس نے یہ ذمہ داری پنڈت موتی لال ہی کے سپرد کی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کام کے لئے پنڈت جی سے اچھا اور کوئی شخص نہیں مل سکتا۔

انپورنا۔ پنڈت جی نے اس اسکیم کے لئے کیا کیا؟

باپ۔ پنڈت موتی لال جی نے لکھنؤ اور کلکتہ میں سب جماعتوں کے صدروں کی بڑی بھاری کانفرنس کی۔ مہینوں تک رات دن محنت کر کے جو اسکیم آپ نے تیار کی تھی اس کو لوگوں کی منظوری کے لئے ان کانفرنسوں میں پیش کیا۔ یہ تو سبھی لوگ آج تک مانتے ہیں کہ سمجھوتے کی اس سے بہتر اسکیم کوئی اور آدمی تیار نہیں کر سکتا۔ مگر مسلم لیگ اور ہندو مہا سبھا نے وہاں بھی اپنی اپنی ڈیڑھ چاول کی کھچڑی الگ الگ ہی پکائی اور نہرو رپورٹ کو پاس نہ ہونے دیا۔

انپورنا۔ پتا جی۔ کسی اچھے کام میں رکاوٹ ڈالنا تو آسان ہے۔ مگر کام کر کے دکھانا مشکل ہے۔

باپ۔ مگر ہم ہندوستانیوں میں زیادہ تر لوگ تو روڑے ہی اٹکایا کرتے ہیں۔ کام بہت کم کرتے ہیں۔ دیکھو کانگریس والے ملک کا کام کتنے تیاگ اور انصاف کے ساتھ کر رہے ہیں۔ مگر وہ خود غرض لوگ جنھیں ہمیشہ اپنی ہی پروا رہی اور لگاتار ملک کی ترقی کے راستے میں رکاوٹیں لگاتے رہے۔ اب کانگریس گورنمنٹ کو ناتجربہ کار اور بے ایمان کہتے ہوئے بھی نہیں شرماتے۔ مگر کام کرنے والے لوگ ان رکاوٹوں سے نہیں گھبراتے کانگریس نے اسی نہرو رپورٹ کو ملکی مطالبات کی صورت میں سرکار کے روبرو پیش کیا۔ اور سرکار سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر سرکار ہمارے ان مطالبات کو ایک سال کے اندر پورا نہ کردے گی تو ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو آدھی رات کو ۱۲ بجے سے اپنے منصوبے کے مطابق آزادی قائم کردیں گے۔

انپورنا۔ یہ بات کن لوگوں کی رائے سے طے ہوئی تھی؟

باپ۔ دسمبر ۱۹۲۸ء کی کلکتہ کانگریس نے طے کیا تھا۔ اس کانگریس کے صدر موتی لال جی تھے۔ آپ کا کلکتہ میں آٹھ گھوڑے کی گاڑی سے بڑی شان سے جلوس نکالا گیا تھا۔

شانتی۔ پتاجی۔ سرکار نے ان مطالبات کا کیا جواب دیا؟

باپ۔ وہی جو سرکار دیتی آئی تھی۔ مگر سرکار ڈری ہوئی ضرور تھی کیونکہ تمام ملک میں سائمن کمیشن کا بہت زوروں سے بائیکاٹ دیکھ چکی تھی۔ وائسرائے صاحب نے لاہور کانگریس کی نشست سے پہلے گاندھی جی کو صلح کے لئے بلایا بھی تھا مگر سرکار نے اپنی ضد نہ چھوڑنا

چاہتی تھی۔ آخر کار صلح نہ ہوئی۔

شانتی۔ پھر سمجھوتے (صلح) کو بلایا ہی کیوں تھا؟

باپ۔ یہ دکھانے کے لئے کہ سرکار تو صلح چاہتی ہے مگر کانگریس والے نہیں مانتے۔ سرکار کے سر پہ وہی رعب و داب کا بھوت اب بھی سوار تھا۔

شانتی۔ کانگریس نے اب کیا کیا؟

باپ۔ لاہور میں دسمبر ۱۹۲۹ء میں کانگریس کا جلسہ ہوا جس میں (موتی لال جی) صدر نے اپنا تاج اپنے نور چشم پنڈت جواہر لال جی کے سر پر رکھ دیا۔ اسی کانگریس میں ۳۱ دسمبر کو رات کے ۱۲ بجے جواہر لال نہرو نے کانگریس کا فیصلہ کہ ہمارا مقصد پوری آزادی ہے، سب لوگوں کو سنایا۔ اس کے بعد پنڈت موتی لال جی جواہر لال جی وغیرہ اور ملکی خادموں نے خوب ہی خوشیاں منائیں۔ یہ منظر دیکھنے کے لائق تھا۔

شانتی۔ ان لوگوں نے اتنی زیادہ خوشیاں کیوں منائیں؟

باپ۔ اس مسرت میں کہ ملک نے اپنا مقصد مکمل آزادی بتایا ہے دوسرے یہ لوگ جانتے تھے کہ سرکار بھی کوئی کسر باقی رکھ نہ چھوڑے گی ادھر ہم لوگ بھی تیار بیٹھے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ آئندہ کب ملیں اور کہاں۔

شانتی۔ اب کانگریس نے کیا کیا؟

باپ۔ کانگریس نے [illegible] جنوری ۱۹۳۰ء کو یوم آزادی مقرر کیا۔

کچھ الفاظ بطرز قسم لکھے گئے تھے کہ جس کو کانگریس والے ہر جگہ جلسہ کر کے اس قسم کو دُھرا دیں۔

شانتی۔ سرکار نے بھی تو اسے روکنے کا کچھ انتظام کیا ہوگا؟

باپ۔ سرکار نے پہلے تو اعلان کو مذاق میں ہی اُڑانا چاہا۔ اُس نے کانگریس والوں کی نبض دیکھنے کے لئے ایک ایسا اعلان کیا کہ اگر کوئی آدمی ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۳۰ء کے یوم آزادی کے کسی جلسہ میں شامل ہوا تو اُس کو سخت سے سخت سزا دی جاوے گی۔

شانتی۔ اس پر کانگریس نے کیا کیا؟

باپ۔ کانگریس اور کیا کرتی۔ اُس نے تو طے کر لیا تھا کہ ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۳۰ء کو یوم آزادی منانے کے لئے تمام ہندوستان میں جلسے ہونگے اُن میں کانگریس والوں نے اس رزولیوشن کو دُھرایا۔ الہ آباد میں یہ جلسہ پرسوتم داس پارک میں ہوا تھا۔ لوگوں کا بہت بڑا مجمع تھا۔ آجکل کی یو۔ پی اسمبلی کے صدر جناب پرسوتم داس جی ٹنڈن اس کا تھوڑا تھوڑا حصہ کہتے تھے اور باقی لوگ اس کو دُھراتے تھے۔ میں بھی اس جلسہ میں تھا کیونکہ میں پریاگ کمبھ کے میلے میں بہ حیثیت ملکی خادم گیا تھا میرے ساتھ دیارام جی بھی تھے۔

پبلک میں روز بروز جوش بڑھنے لگا۔ گاندھی جی مہاراج سمندر کے کنارے نمک بنانے کے لئے ۶ر اپریل سنہ ۱۹۳۰ء کو ڈانڈی میں داخل ہوئے اسی روز ملک کے ہر حصہ میں نمک بنا کر قانون نمک توڑنے کے لئے

والنٹیروں کے جتھے گھومنے لگے۔ ملکی خیرخواہوں میں وہ ترقی ہوئی کہ شملہ کی سرکار کا تخت ہل گیا۔ ملک کے مرد وعورت۔ بچے۔ بوڑھے۔ اور نوجوان سب ملک پر قربان ہونے کیلئے تیار ہوگئے۔ ماؤں نے اپنے بچوں کو بہنوں نے اپنے بھائیوں کے تلک لگا کر خوشی خوشی ملکی آزادی حاصل کرنے کے لئے رخصت کیا۔ جگہ جگہ نمک بنائے گئے ولایتی کپڑے، شراب کی دکانوں پر عورتیں اور مرد ستیہ گرہ کرنے لگے ادھر سرکار نے ڈنڈے مارنا گھوڑے دوڑانا اور دھڑا دھڑ جیل بھیجنا شروع کر دیا۔ باردولی کے کسانوں کی کھڑی فصلیں سرکار نے ضبط کر لیں۔ مگر ملکی خیرخواہوں نے بھی وہ ہمت دکھائی کہ سرکار کی آنکھیں کھل گئیں۔ جیلوں میں قیدیوں کے لئے جگہ نہ رہی۔ سرکار نے سخت سے سخت نیا قانون بنایا۔ یہاں تک کہ جو لوگ کانگریس سے ہمدردی رکھتے تھے انھیں بھی سرکار جرمانہ اور جائداد کی ضبطی کی سزا دینے لگی۔ اس جنگ آزادی میں ۵۰۰۰۰ سے زیادہ مرد عورتیں وغیرہ جیلوں میں بھر دئے گئے۔ پنڈت جواہر لال جی کو ۱۶ اپریل کو ہی گرفتار کر لیا۔ اور جو تاج موتی لال جی نے ان کو پہنایا تھا وہ انھیں کو واپس کر دیا۔ پنڈت موتی لال جی نے چاروں طرف آزادی کی آگ پھیلا دی۔ انھیں بھی سرکار نے جیل میں ڈال دیا۔ مگر تحریک ویسی ہی رہی۔ سرکار نے بیرسٹر جیکر اور سپرو کے ذریعہ صلح کی بات چیت شروع کی۔ پنڈت موتی لال جی جواہر لال جی کو [illegible] مہاتما جی کو یرودا جیل میں سے

لایا گیا۔ سردار پٹیل وہاں پہلے سے موجود تھے لیکن صلح نہ ہوئی۔

انپورنا۔ کیا سرکار نے پنڈت موتی لال جی و جواہر لال جی کو چھوڑ دیا؟

باپ۔ نہیں۔ یرودا سے لاکر نینی جیل میں رکھا تھا۔ مگر جیل کی تکلیفوں سے پنڈت موتی لال جی کی پرانی بیماری پھر بڑھ گئی۔ دمہ اور بخار کے ساتھ آپ کے پھیپھڑوں میں ورم آگیا۔ یہاں تک کہ اُن کے تھوک میں خون آنے لگا۔ ۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو آپ چھوڑ دئے گئے۔ اسکے بعد گاندھی جی اور وائسرائے لارڈ اروِن نے دوبارہ صلح کرنا چاہا۔ گاندھی جی اور دوسرے رہنما بھی چھوڑ دئے گئے۔ رہا ہوتے ہی سب رہنما الہ آباد آپ سے ملنے گئے۔ صلاح ہونے لگی کہ کانگریس کمیٹی کا جلسہ کہاں کیا جاوے۔ آپ نے کہا۔ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ میرے سامنے سوراج بھون کے میدان میں کرو تاکہ میں بھی اس آخری صلح میں حصہ لے لوں۔ اور مروں تو آزاد بھارت (ہندوستان) کی گود میں۔ لیکن بیماری کی حالت دیکھ کر دہلی میں جلسہ کرنا قرار پایا۔ دہلی میں وائسرائے لارڈ اروِن اور گاندھی جی کی ملاقات ہوئی اور کئی روز تک وائسرائے اور رہنماؤں میں ٹیلیفون سے تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ آخر میں گاندھی اروِن صلح نامہ ہو ہی گیا۔

انپورنا۔ پنڈت موتی لال جی کی بیماری کی کیا حالت رہی؟

باپ۔ اُن کی بیماری روز بروز بڑھتی ہی گئی ڈاکٹروں کی رائے

سے ایکسریز کے امتحان کے لئے آپ کو ۴ فروری کو لکھنؤ لایا گیا مگر کچھ

آرام نہ ہوا۔ ۶ فروری کی صبح ۶ بجکر ۴۰ منٹ پر ملک کی جنگ آزادی کے نیپولین کا لکھنؤ میں انتقال ہوگیا۔ آپ کو کانگریسی جھنڈے کا کفن پہنایا گیا اور کانگریسی جھنڈے سے سجی ہوئی موٹر میں الہ آباد لایا گیا۔ شام کے ساڑھے چھ بجے ترمبینی پر آپ کا کریا کرم کیا گیا۔ مہاتما گاندھی جی نے چتا میں آگ لگائی۔ اس موقع پر آپ کا بھی دل بھر آیا۔ آپ بولے آج ہمارا کمانڈر ہم سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہوگیا۔ اس نازک حالت میں ہمکو اسکی بہت ضرورت تھی لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اسکی جان و مال و عزت کی قربانی پبلک کے لئے ہمت افزائی کا کام کرے گی۔

جیوں ہی ملک کے لوگوں کو آپ کی وفات کی خبر ملی۔ تمام ملک میں رنج و غم کے دریاؤں میں طوفان آگیا اس ماتم میں ہڑتالیں ہوئیں، جلوس نکالے گئے اور جلسوں میں ماتمی ریزولیوشن پاس ہوئے بڑے بڑے سرکاری افسروں نے بھی آپ کے خاندان کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔

انیو رنا۔ یوں کہئے کہ موتی لال جی نے تو اپنا سب کچھ ملک پر قربان کردیا۔

باپ۔ الہ آباد کے سوراج بھون پر لہراتا ہوا کانگریس کا ترنگا جھنڈا ہندوستان کو یہ اطلاع دیتا ہے کہ اگر زندہ رہو تو موتی لال جی کی طرح اور مرو تو موتی لال جی کی طرح جس نے دل و جان روپیہ پیسہ سب کچھ ملک پر قربان کردیا۔ اور مرتے دم اپنے سب سے بڑے خزانہ یعنی جواہر لال جی کو ملک کو سونپ دیا۔

ہمارے رہنما



حکیم اجمل خان

انپورنا۔ پتا جی۔ نہرو خاندان نے بہت بڑی قربانیاں کی ہیں۔
باپ۔ ایسے خاندان دنیا میں بہت کم ملتے ہیں کہ جن میں باپ بیٹے سے بڑھ کر اور بیٹا باپ سے بڑھ کر ہو۔ کہاں تک کہیں ایک سے ایک بڑھ کر۔ اچھا نمستے
انپورنا۔ اور شانتی۔ پتا جی ۔۔ نمستے

حکیم اجمل خاں

انپورنا۔ پتا جی۔ آج آپ کن کن رہنماؤں کے بارے میں بتائیں گے؟
باپ۔ حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری کے بارے میں۔
انپورنا۔ پتا جی۔ میں آپ سے کہتی نہیں تھی مگر میرے دل میں یہ شبہہ ضرور تھا کہ مسلمان رہنما ہوئے ہیں یا نہیں۔ آج مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں نے بھی ملکی خدمات انجام دی ہیں۔
باپ۔ کیوں نہیں۔ مسلمان بھی تو ہندوستان میں رہتے ہیں۔ یہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں۔ عیسائی۔ بودھ پارسی۔ سبھی قوموں کا ہے۔ اسلئے اسکی خدمت سب کو کرنا چاہیئے اور سب نے کی ہے۔ مسلمانوں میں بدرالدین طیب جی۔ سید حسن امام۔ مولانا محمد علی۔ حکیم اجمل خاں۔ ڈاکٹر انصاری وغیرہ ہندوستان کے

ابوالکلام آزاد ۔ مولانا آصف علی ۔ سر وزیر حسن وغیرہ مسلمان رہنما ملک کی خدمت کر رہے ہیں ۔ یہاں تک کہ مسٹر ہیوم ۔ جارج یول ۔ الفریڈ وپ وغیرہ انگریزوں نے بھی ہمارے ملک کی خیر خواہی میں بڑا حصہ لیا ہے ۔ اور اسی لیئے ملک کے لوگوں نے انھیں کانگریس کا صدر قرار دیا تھا ۔ آجکل بھی میرا بہن اور دین بندھو اینڈ ریوز یوروپین ہوتے ہوئے بھی ہمارے ہندوستان کی دل وجان اور روپیہ پیسے سے خدمت کر رہے ہیں سب لوگوں کا ذکر کرنا تو مناسب نہیں اسلیئے میں تمھیں انھیں گنے چنے رہنماؤں کے بارے میں بتا رہا ہوں ۔

انپورنا ۔ آپ تو حکیم اجمل خاں کے بارے میں بتانا چاہتے تھے ؟

باپ ۔ ہاں حکیم اجمل خاں صاحب کی پیدائش ۱۸۶۵ء میں ہوئی تھی ۔ آپ کے دادا حکیم شریف خاں اور والد حکیم محمود خاں بہت مدت سے دہلی میں حکمت کرتے تھے ۔ حکمت میں اس خاندان کی شہرت دہلی اور ہندوستان تک ہی نہیں بلکہ مصر اور وسط ایشیا کے ملکوں تک پھیل گئی تھی ۔ اسلیئے اُن کے مطب میں ہندوستانیوں نے ہی حکمت نہیں سیکھی بلکہ دور دور ملکوں کے طالب علم یہاں آئے ۔ حکیم صاحب نے اپنی حکمت اور لیاقت سے اپنے خاندان کی شہرت اپنے باپ اور دادا سے دوگنی چوگنی کر دی ۔ آپ نے اپنا زر کثیر لگا کر دہلی کی سبزی منڈی کے اس طرف ایک بہت بڑا طبیہ کالج بنایا ۔

انپورنا ۔ پیتا جی ۔ اس کالج میں کیا پڑھایا جاتا ہے ؟

باپ۔ اس کالج میں یونانی ویدک طریقہ سے بیماریوں کا علاج کرنے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں اسکے علاوہ ضروری چیر پھاڑ بھی سکھائی جاتی ہے۔ اس کالج سے تکمیل کرکے حکیم اور وید بہت قابلیت کے ساتھ علاج کرتے ہیں۔

شانتی۔ حکیم جی نے کہاں تک تعلیم پائی تھی؟

باپ۔ حکیم جی آجکل کے کسی اسکول یا کالج میں تو پڑھے نہیں تھے۔ مگر انھوں نے گھر ہی پر قرآن۔ عربی۔ فارسی اور اسلامی کتابوں کی تعلیم بہت اچھی پائی تھی۔ بعدہ معمولی انگریزی بھی سیکھ لی تھی۔ حکیم صاحب کنوئیں کے مینڈھک کی طرح دہلی کو دنیا خیال نہ کرتے تھے آپ اپنی لیاقت بڑھانے کے لئے ۱۹۰۴ء و ۱۹۲۱ء میں ممالک غیر میں بھی گئے وہاں آپ نے دوسرے ملکوں کے حکیموں سے ملکر لندن و وائنا وغیرہ مشہور شہروں کے اسپتالوں اور میڈیکل کالجوں کو بہت ہی غور سے دیکھ کر بہت سی باتیں معلوم کیں۔ مصر اور ٹرکی کی قدیم دارالسلطنت قسطنطنیہ میں بھی آپ کچھ عرصہ اسی وجہ سے رہے۔ ہندوستان آکر آپ نے طبیہ کالج کی بنیاد ڈالی اور حکمت پر اچھی اچھی کتابیں شائع کرائیں۔

شانتی۔ حکیم صاحب نے ملک کی بھلائی میں کب سے حصہ لینا شروع کیا حکیم اور وید تو زیادہ تر ایسے کاموں سے علیحدہ رہا کرتے ہیں۔

باپ۔ حکیم صاحب کے خیالات پہلے ہی سے بہت صاف تھے

ہوئی ۔ ۱۹۱۶ء تک تو انھوں نے پبلک کی خدمت میں کوئی حصہ نہ لیا ۔ مگر ایم ۔ اے ۔ او ۔ کالج علیگڈھ کو مسلم علیگڈھ یونیورسٹی بنانے میں بہت زیادہ دلچسپی لی تھی ۔ وہ مسلم لیگ کے بھی وائس چیرمین چنے گئے تھے ۔ ۱۹۱۸ء میں دہلی میں کانگریس ہوئی تھی میں بھی اس کانگریس میں ملکی خادم کی حیثیت سے شریک ہوا تھا ۔ حکیم اجمل خاں صاحب اس کانگریس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے ۔ میں نے آپ کا لکچر بھی سُنا تھا اور کام کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا ۔ آپ کے الفاظ اور کاموں سے پوری سنجیدگی اور سچائی ٹپکتی تھی ۔ آگے چلکر حکیم صاحب اپنے اوصاف کی بدولت ۱۹۲۱ء کی احمدآباد کانگریس کے صدر ہوئے ۔

شانتی ۔ حکیم صاحب نے کانگریس کی کیا کیا خدمات انجام دیں جو کانگریس کے صدر منتخب ہوئے ؟

باپ ۔ ویسے تو انھیں کانگریس سے پہلے ہی دلچسپی تھی ۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ پنجاب کی زیادتیوں نے آپ کے خیالات بالکل تبدیل کر دئے اور وہ گاندھی جی کے ہمخیال ہو گئے ۔ اب آپ ہندو اور مسلمانوں میں میل بڑھانے پبلک جھگڑوں کو طے کرنے کھدر کے رواج دینے میں بڑے جوش سے حصہ لینے لگے ۔

انپورنا ۔ حکیم صاحب گاندھی جی کے سچے مقلد (پیرو) تھے ؟

باپ ۔ حکیم صاحب کے مثل گاندھی جی کے مقلد تو بہت ہی کم ملیں گے ۔ تم سے کانگریس کے ایک بڑے ذمہ دار ورکر نے ایک مرتبہ

بات چیت کے دوران میں حکیم صاحب کے بارے میں کہا تھا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کی میٹنگ میں کسی بات پر گاندھی جی اور حکیم صاحب کی رسلے میں اختلاف تھا مگر حکیم صاحب نے رائے گاندھی جی کو ہی دی۔ ایک ممبر نے حکیم صاحب سے پوچھا۔ جب آپ میں اور گاندھی جی میں اس بارے میں اختلاف تھا تو آپ نے گاندھی جی کو رائے کیوں دی۔ حکیم صاحب بولے بھائی سچ بات تو یہ ہے کہ میرا یقین ہے کہ جو کچھ گاندھی جی کہتے ہیں وہ ٹھیک ہی ہوتا ہے۔ یہ میری عقل کا قصور ہے کہ اب تک میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اوپر کی بات کہاں تک ٹھیک ہے۔ مگر یہ بات تو ہر ایک آدمی جانتا ہے کہ حکیم صاحب گاندھی جی پر اعتماد رکھتے تھے اور گاندھی جی نے کئی بار اپنی زبان سے کہا تھا کہ حکیم اجمل خاں صاحب جیسے سچے اور ایماندار شخص دنیا میں مشکل سے ملتے ہیں۔

انپورنا۔ تو یوں کہئے کہ حکیم صاحب نے ہندو مسلمان اتحاد کرانے کی بہت کوشش کی تھی؟

باپ۔ حکیم صاحب کا تو یہ پکا یقین تھا کہ ہندوستان کی ترقی ہندو اور مسلمان اور باقی تمام قوموں کے ملنے سے ہی ہو سکتی ہے۔ یہ بات انھوں نے ۱۹۲۲ء میں گاندھی جی کو ایک خط میں لکھی تھی۔ ۱۹۲۵ء میں حکیم صاحب اپنی تندرستی کی اصلاح کے لئے یورپ گئے ۲۳ اپریل کو انھوں نے فرانس کے بندرگاہ مارسیلز سے ایک خط میں گاندھی جی کو لکھا

کہ باعزت مہاتما جی! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں ہندوستان سے واپسی کے وقت آپ سے ملاقات نہ کر سکا۔ خیر خدا کی مہربانی سے واپسی میں زیارت کروں گا۔ یہاں اگر کوئی مجھ سے ہندوستان کے بارے میں دریافت کرے گا تو مجھے شرم سے سر نیچا کرنا ہوگا۔ میں اسکے علاوہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی حالت بہت خراب ہے اور وہاں کی دو بڑی زبردست قومیں آپسمیں لڑکر خود ہی اپنے پیروں میں کلھاڑیاں مار رہی ہیں۔ خدا رحم کرے ایسے لوگوں کی عقل پر جو لوگوں کو آپس میں لڑا لڑا کر اپنی قوم اور اپنے ملک کو دنیا کی نگاہ میں ذلیل بنا رہے ہیں۔

شانتی۔ پتا جی۔ ہمارے ملک کو سب سے بڑی ضرورت ایسے ہی نیک خیال بزرگوں کی ہے۔

باپ۔ تمھارا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ مگر ہماری بدبختی کہ تندرستی کے دن بدن خراب ہو جانے سے ہندو مسلم اتحاد کے ایک بہت بڑے حامی کی وفات ۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء کو ہوگئی۔ سارے ملک میں ہڑتالوں جلسوں اور جلوس کے ذریعہ حکیم صاحب کے مرنے کا سوگ منایا گیا۔

شانتی۔ درحقیقت حکیم صاحب کا ہمارے درمیان سے اُٹھ جانے سے ملک کا بہت نقصان ہوا۔

باپ۔ اس میں شک ہی کیا ہے۔ اب ہم تمھیں ایک ایسے ہی دوسرے رہنما ڈاکٹر انصاری صاحب کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں گے۔

ہمارے رہنما



ڈاکٹر مختار احمد انصاری

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

باپ۔ شانتی۔ ڈاکٹر انصاری جیسے آدمی تو دنیا میں بہت ہی کم ملتے ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۵ر دسمبر سنہ ۱۸۸۰ء کو ممالک متحدہ کے ضلع غازی پور کے موضع یوسف پور میں حاجی عبدالرحمٰن صاحب زمیندار و رئیس کے یہاں ہوئی تھی۔ لڑکپن میں آپ بنارس میں پڑھے اور الہ آباد سے ایف۔ اے۔ پاس کرنے کے بعد آپ نظام کالج حیدر آباد میں داخل ہوئے جب آپ نے بی۔ اے پاس کر لیا تو آپ کو ولایت جاکر پڑھنے کے لئے ریاست حیدر آباد سے وظیفہ ملا۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں آپ ڈاکٹری کی تعلیم پانے کے لئے ولایت گئے۔

شانتی۔ پتاجی۔ ولایت میں انھوں نے کہاں تعلیم حاصل کی؟

باپ۔ انھوں نے اڈنبرا اور لندن یونیورسٹیوں سے ایم۔ ڈی اور ایم۔ ایس اور ایس۔ آر۔ سی۔ پی۔ ڈاکٹری کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آپ کی لیاقت پر خوش ہو کر وہاں کی سرکار نے آپ کو اسپتالوں میں ہاؤس سرجن وغیرہ کئی عہدوں پر مقرر کر دیا۔ آپ پہلے ہندوستانی تھے جو لندن شہر کے اسپتالوں میں بڑے بڑے عہدوں پر مقرر ہوئے۔ تقریباً سات آٹھ سال تک لندن میں ڈاکٹری کر کے آپ سنہ ۱۹۱۰ء میں ہندوستان واپس آئے۔

شانتی۔ یہاں آ کر ڈاکٹر انصاری نے نوکری کر لی ہوگی۔

باپ۔ نہیں انہوں نے نوکری نہیں کی بلکہ دہلی میں اپنا اسپتال کھول لیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی شہرت ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئی اور بڑے بڑے سیٹھ۔ ساہوکار۔ راجے مہاراجے اور نواب آپ سے علاج کرانے کیلئے دہلی آنے لگے۔ ہمارے ملک کے آپ ایک خاص ڈاکٹر گنے جانے لگے۔ آپ اپنے کام کو بڑی ایمانداری سے کرتے تھے۔ بیماروں کے دیکھنے کے لئے کافی وقت دیا کرتے تھے۔ جتنا وقت ہوتا تھا اُسکے مطابق ہی ہر روز دیکھنے کے لئے بیماروں کی تعداد مقرر کر دیتے تھے باقی بیماروں کو اگلے دن دیکھتے تھے۔ اُن کو مریض دکھانے کے لئے ہفتوں پہلے خطوط ڈال کر یا ملکر وقت مقرر کرنا پڑتا تھا۔

انپورنا۔ تو یہ بہت بڑے ڈاکٹر تھے۔ امیر لوگ ہی اُن کے پاس علاج کرانے جاتے ہونگے؟

باپ۔ ہاں جب لوگ تمام جگہوں سے نا امید ہو جاتے تو ڈاکٹر انصاری کے پاس جاتے تھے پبلک کی خدمت کرنے والوں کے ساتھ یہ رعایت کرتے تھے۔ جب بھی مہاتما گاندھی بیمار ہوتے تھے تو ڈاکٹر انصاری خود مہاتما گاندھی کے پاس پہونچ جاتے تھے یا مہاتما جی انصاری صاحب کو بلا لیتے تھے۔ پونا میں زندگی بھر کے برت کے موقع پر مہاتما جی کی کمزوری بہت بڑھ گئی تھی۔ تمام ہندوستان کو فکر تھی۔ مہاتما گاندھی نے اس موقع پر کہا تھا۔ آپ لوگ فکر نہ کریں

ڈاکٹر انصاری کے ہوتے ہوئے میری زندگی کو ذرا سا خطرہ نہیں سنہ ۱۹۲۴ء
میں گاندھی جی نے ۲۱ دن کا برت اسلئے رکھا تھا کہ بھارت کی سب قومیں
ایک ہو جاویں۔ اس وقت بھی ڈاکٹر انصاری ہی گاندھی جی کی تندرستی
کی نگرانی کر رہے تھے۔ سوامی شردھانند بھی بیماری کے وقت اپنا علاج
ڈاکٹر انصاری سے ہی کراتے تھے۔

انپورنا۔ ڈاکٹر صاحب نے کب سے ملک کی بھلائی کے کاموں
میں دلچسپی لینا شروع کی؟

باپ۔ ویسے تو انھیں طالب علمی کی ہی زندگی سے ملک کی بھلائی
کرنے کی دلچسپی تھی سنہ ۱۸۹۹ء میں آپ میڈیکل کالج مدراس میں پڑھتے ہوئے
ہی کانگریس کے جلسہ میں شامل ہوگئے مگر ولایت سے واپس آنے کے
بعد آپ نے پبلک کی بھلائی کے کاموں میں خاص طور سے حصہ لینا شروع
کر دیا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ ملک کے ایک کارکن شمار ہونے
لگے۔ سنہ ۱۹۱۲ و ۱۹۱۳ء میں آپ جنگ ٹرکی و بلقان میں ایک آل انڈیا میڈیکل مشن لیکر
ٹرکی کی مدد کے لئے گئے تھے سنہ ۱۹۱۷ء میں آپ نے ہوم رول کی تحریک
کے پھیلانے میں بھی خاص حصہ لیا تھا۔ مسلم لیگ میں بھی آپ کو کافی
دلچسپی تھی۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں بمقام دہلی آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ میں
آپ صدر بھی تھے۔

انپورنا۔ ڈاکٹر صاحب کانگریس میں کب سے کھلم کھلا کام کرنے لگے؟

باپ۔ سنہ ۱۹۱۹ء کی سرکاری زیادتیوں سے جو پنجاب میں ہوئیں

حکیم اجمل خاں صاحب کی طرح ڈاکٹر انصاری صاحب کے خیالات بھی بہت کچھ بدل دئے۔ اب تو آپ علانیہ کانگریس اور خلافت میں کام کرنے لگے۔ ۱۹۲۲ء میں گیا میں ہونے والی خلافت کانفرنس میں آپ صدر تھے اور اسی سال کانگریس کی مقرر کردہ ستیہ گرہ جانچ کمیٹی کے بھی ممبر چنے گئے۔ ۱۹۲۴ء کے دہلی میں ہونے والی اتحاد مجلس کو جمع کرنے میں آپ کا کافی ہاتھ تھا۔ آپ کی انھیں خدمات کا خیال کرتے ہوئے ملک نے آپ کو ۱۹۲۷ء میں مدراس کانگریس کا صدر قرار دیا تھا۔ مدراس کانگریس ایک معمولی کانگریس نہ تھی۔

انپورنا۔ مدراس کانگریس میں اور کانگریسوں کی نسبت کیا خاص بات ہوئی تھی؟

باپ۔ اس کانگریس میں کئی معرکے کی باتیں ہوئی تھیں جیسے (۱) سائمن کمیشن کا بائیکاٹ طے ہوا تھا (۲) ولایتی مال کے بائیکاٹ کا مسودہ پاس ہوا تھا (۳) ہندوستان کی سب جماعتوں کی رائے سے ہندوستان کے انتظام کے لئے ایک نئی اسکیم بنانا طے ہوا تھا۔ اس اسکیم کے بنانے کا کام پنڈت موتی لال جی نہرو کو سونپا گیا تھا۔ بعد کو جو اسکیم بنی وہی نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہوئی۔ سائمن کمیشن اور ولایتی مال کے بائیکاٹ اور سرکار کے ذریعہ نہرو رپورٹ کے ٹھکرائے جانے نے ہی خفتہ ہندوستان کو پھر سے جگا دیا تھا۔

انپورنا۔ کیا ڈاکٹر انصاری بھی کچھ جیل گئے تھے؟

باپ ۔ میں نے تو تمہیں پہلے ہی بتلا دیا ہے کہ یہ ہندوستان کے خیر خواہ کا پہلا انعام ہے ۔ ۱۹۳۰ء کی ستیہ گرہ کی لڑائی میں سرکار نے کانگریس کی مجلس عاملہ کو غیر قانونی قرار دے دیا تھا ۔ ۲۷ اگست ۱۹۳۰ء کو ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر دہلی میں کارکنوں کی نشست ہوئی ۔ ڈاکٹر انصاری ہی اسکے صدر تھے ۔ بس سرکار نے ڈاکٹر انصاری اور مالوی جی ۔ پریسیڈنٹ پٹیل ۔ ڈاکٹر ودھیان چندر رائے وغیرہ کارکنان کو گرفتار کرلیا جب وائسرائے لارڈ اروِن اور گاندھی جی میں صلح کی بات چھڑی تو آپ ۲۵ جنوری ۱۹۳۱ء کو چھوڑ دئے گئے ۔

انپورنا ۔ گاندھی اروِن صلح میں ڈاکٹر صاحب کا بھی بہت کچھ ہاتھ ہوگا

باپ ۔ بہت کچھ نہیں ۔ خاص ہاتھ تھا ۔ ڈاکٹر صاحب تو خاص لوگوں میں سے تھے ۔ ملک کے تمام رہنما آپ ہی کی کوٹھی پر ٹھہرتے تھے ۔ رہنماؤں کے مشورے اور جلسے آپ ہی کی کوٹھی پر ہوا کرتے تھے ۔ گاندھی جی اور دیگر رہنماؤں کی زیارت کرنے کے لئے دور دور کے اشخاص آپ ہی کی کوٹھی پر آیا کرتے تھے ۔ اُن دنوں میں ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی ملکی تیرتھ گاہ بنی ہوئی تھی ۔ ان دنوں اس کوٹھی کا درجہ وائسرائے کے محل سے بھی زیادہ ہوگیا تھا ۔

شانتی ۔ گاندھی اروِن صلح کے بعد آپ نے کیا کام کیا ؟

باپ ۔ ہندو مسلم اتحاد کا پرچار کیا ۔ مسلم نیشنلسٹ پارٹی بنائی ۱۹۳۴ء

میں ... کو ... کرنے کے لئے سوراج پارٹی بنائی اور کانگریس

پارلیمنٹری بورڈ کے صدر منتخب ہوئے۔ آپ کی کوشش سے کونسل کے چناؤ میں کانگریس کو بہت زیادہ مدد ملی اور کامیابی ہوئی۔

شانتی۔ کیا ڈاکٹر صاحب تعلیم سے تعلق رکھنے والے کاموں سے بھی دلچسپی رکھتے تھے؟

باپ۔ کیوں نہیں۔ مسلم یونیورسٹی کے چلانے میں آپ نے خاص طور پر مدد کی۔ آپ ہی ایک ایسے معزز شخص تھے جو اس یونیورسٹی میں ملکی خدمت کے خیالات پھیلانا چاہتے تھے اسی وجہ سے آپ کی یونیورسٹی کے کچھ زیادہ کارکنوں سے مخالفت ہی رہا کرتی تھی ۱۹۲۰ء کی ستیہ گرہ کے دنوں میں آپ نے علیگڈھ میں مسلم نیشلسٹ یونیورسٹی قائم کی تھی ۱۹۲۵ء سے یہ یونیورسٹی دہلی میں چلی آئی ہے اور اب اس کا نام جامعہ ملیہ اسلامیہ ہے اس میں سب ہی طلبا ملکی خدمتگذار ہیں اور اسکے پرنسپل ڈاکٹر ذاکر علی صاحب ہندوستان کے ایک خاص عالم خیال کئے جاتے ہیں۔ مہاتما گاندھی جی جس طرح کی تعلیم چاہتے ہیں ویسی ہی اسکیم آپ نے کچھ دوسرے عالموں کی رائے سے بنائی ہے۔ ڈاکٹر انصاری نے اسکو ہر طریقہ سے ترقی دینے کی کوشش کی تھی۔ ملک کی خدمت کرتے کرتے آپ کی تندرستی بہت خراب ہو گئی تھی۔ اسلئے آپ اپریل ۱۹۳۵ء میں پبلک کاموں سے علیحدہ ہو گئے تھے پھر بھی آپ کی تندرستی ٹھیک نہ ہوئی اور ۱۰ رمئی ۱۹۳۶ء کو جب آپ نواب رام پور سے اُن کے علاج کے بارے میں ملکر منصوری سے واپس آرہے تھے یکایک حرکت قلب بند ہوجانے سے چلتی کار ہی میں آپ کی وفات ہو گئی۔

ہمارے رہنما



دیش بندھو چترنجن داس

شانتی - ڈاکٹر صاحب بڑے ہی اچھے خیالات کے آدمی تھے؟

باپ - ہاں - آپ بڑے ہی نیک - خوش طبع - سادگی پسند اور غریب پرور ملک کے خیر خواہ تھے - ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں صاحب دہلی یا مسلمانوں کے ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے بڑے قابل اور شریف رہنما تھے - اچھا بیٹی - اب اور کل -

شانتی - پتاجی - نمستے -

باپ - نمستے بیٹی - خوش رہو -

دیش بندھو چترنجن داس

باپ - انپورنا! آج ہم تمہیں ایک ایسے رہنما کے حالات سنانا شروع کرتے ہیں جس کا ایمان - مذہب اور ایشور - پوجا - ہندوستان کے غریبوں کی خدمت ہی تھی - اُن کا نام تھا دیش بندھو چترنجن داس - آپ کی پیدائش ۵ نومبر ۱۸۷۰ء کو کلکتہ کے اٹارنی (یعنی وکیل) بھون موہن داس کے گھر میں ہوئی تھی - آپ نے بی - اے تک کی تعلیم کلکتہ میں پائی تھی ۱۸۹۰ء میں پریسیڈنسی کالج کلکتہ سے بی - اے پاس کر کے آئی - سی - ایس کا امتحان پاس کرنے کے لئے لندن گئے - لندن میں آپ آئی - سی - ایس کے امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے مگر وہاں سے بیرسٹری ضرور پاس کر آئے - جب آپ لندن میں تھے تو انگریزوں نے ہندوستان کی اصلی

حالت بتانے کے لئے جلسوں میں تقریریں اور اخباروں میں مضمون دیا کرتے تھے۔

انپورنا۔ ہندوستان میں واپس آنے پر آپ نے کہاں وکالت شروع کی؟

باپ۔ سنہ ۱۸۹۳ء میں ہندوستان آتے ہی آپ نے کلکتہ ہائیکورٹ میں وکالت شروع کی مگر وہاں کامیابی نہ ہونے کی وجہ سے بیرون کلکتہ کسی چھوٹی کچہری میں وکالت کرنے چلے گئے۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں آپ کے والد کا دیوالہ نکل گیا۔ لیکن جب دیش بندھو داس کے پاس روپیہ اکٹھا ہو گیا تو آپ نے اپنے والد صاحب کا دیوالہ رد کرا دیا اور قرض دینے والوں کی ایک ایک پائی ادا کر دی۔ قانون سے کوئی قرضہ دینے والا دعوے نہ کر سکتا تھا۔ لوگوں نے آپ کو بہت کچھ سمجھایا کہ کیا بیوقوفی کر رہے ہو لیکن آپ نے ایسا کہنے سے پھٹکار کر کہا مجھے ایشور کو بھی منہ دکھانا ہے جب بیٹا باپ کی جائداد لینے کا حقدار ہے تو باپ کا قرضہ ادا کرنا اسکا فرض ہے۔

انپورنا۔ یہ کام تو دیش بندھو داس نے بہت ہی عجیب کیا۔ آجکل تو بہت سے بے ایمان لوگ مال ادھر اُدھر رکھ کر دیوالہ نکال دیتے ہیں

باپ۔ آپ کی اس ایمانداری کو دیکھ کر تو ہائیکورٹ کے جج تک دنگ رہ گئے تھے۔ دیش بندھو داس جو بھی کام کرتے تھے وہ انوکھا ہی کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں بنگال کے دو حصے کئے جانے پر تمام بنگال میں سرکار کے خلاف بغاوت کی سی آگ پھیل گئی۔ آپ نے سنہ ۱۹۰۷ء کی

دیسی تحریک میں بہت حصہ لیا تھا۔ آپ نے پبلک میں ملکی خدمات کا پرچار کرنے کے لئے شری اروند وغیرہ دوستوں کے ساتھ ملکر بندے ماترم نامی انگریزی اخبار نکالا۔ اس اخبار نے بنگال میں ایک نیا جوش پیدا کر دیا۔ بنگالی لوگ انگریزوں پر بم تک پھینکنے لگے۔ اسی تحریک میں اروند گھوش اور خودی رام بوس وغیرہ سیکڑوں نوجوانوں کو جیل کالے پانی اور پھانسی کی سزائیں ملیں۔ مگر دیش بندھو داس نے بغیر فیس لئے بہت سے سیاسی قیدیوں کے مقدمات کی پیروی کی۔

انپورنا۔ اس سے تو آپ کی بڑائی چاروں طرف پھیل گئی ہو گی۔

باپ۔ ہاں چاروں طرف بڑائی تو پھیلی ہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ پبلک اور افسر دونوں ان کی قابلیت کو تسلیم کرنے لگے۔ سنہ ۱۹۲۰ء تک ان کی ماہواری آمدنی بڑھتے بڑھتے ۵۰ ہزار روپیہ تک پہونچ گئی۔ دیش بندھو داس صرف بیرسٹر ہی نہیں تھے بلکہ بنگلہ کے اچھے شاعر اور فسانہ نگار بھی تھے۔ اس سے بھی بنگال میں آپ کا نام چاروں طرف پھیل گیا۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں آپ کلکتہ میں ہونے والی پولٹیکل کانفرنس کے صدر مقرر ہوئے۔ اس کانفرنس میں آپ نے جو اسپیچ دی تھی اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کتنے دور اندیش رہنما تھے آپ نے کہا تھا ہماری سب سے بڑی ضرورتیں ہیں کہ شہروں کو چھوڑ کر غریب گاؤں والوں کی غریبی اور مفلسی کو دور کرنا اور انگریز بننے کا بھوت سر سے اُتار کر ایک اچھا ہندوستانی بننا۔ آج مہاتما گاندھی، پنڈت

جواہر لال نہرو وغیرہ رہنما اتنے برسوں کے بعد یہ باتیں کہہ رہے ہیں۔

شانتی۔ تو آپ کو غریب گاؤں والوں کا دکھ دور کرنے کا بہت خیال تھا

باپ۔ گاؤں والوں کی حالت دیکھ کر آپ کا دل بے چین ہو جاتا تھا۔ ۲۳-۱۹۲۲ء میں آپ نے بہت سا روپیہ دیگر اور بنگال کے امیروں سے بہت کچھ اکٹھا کر کے گاؤں سیوا کے لئے ایک کمیٹی قائم کی اس کمیٹی کا نام پلی "سنسکار سمیتی" تھا۔ بنگال میں پلی گاؤں کو کہتے ہیں۔ اور سنسکار سدھار کو کہتے ہیں۔ ہندی میں اسکا نام گرام سدھار سمیتی ہے اسکی طرف سے بہت سے کارکن ملکی خدمت کے خیالات گاؤں گاؤں میں پھیلاتے تھے۔ ان کے علاوہ گاؤں کی صفائی اور غریبی دور کرنے کی طرف بھی دھیان دیتے تھے۔ یہ کمیٹی آج تک بنگال میں بہت اچھا کام کر رہی ہے دیش بندھو داس کا کہنا تھا کہ غریبوں کی خدمت ہی سچی پوجا ہے۔

شانتی۔ کیا دیش بندھو داس ۱۹۲۱ء کی تحریک (ترک موالات) میں شامل ہوئے تھے؟

باپ۔ یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ گاندھی جی کی مخالفت کی تحریک میں کونسلوں کا بائیکاٹ تھا۔ دیش بندھو داس۔ لوکمان تلک کے خیالات کے مطابق کونسلوں میں جانا ٹھیک خیال کرتے تھے اس لئے انھوں نے ستمبر ۱۹۲۰ء کی کلکتہ کی اسپشل کانگریس میں ترک موالات کی مخالفت کی لیکن دسمبر میں ناگپور کانگریس میں گاندھی جی کی بات آپ کی سمجھ میں آگئی اور آپ نے سرکاری سکول اور کالجوں کا بائیکاٹ

اور سرکاری نوکریاں چھوڑنے کی باتیں بھی ترک موالات میں شامل کروائی تھیں۔

شانتی۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک آپ کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی تھی تب تک اُس کے کرنے کے لئے راضی نہ ہوتے تھے اور جب وہی بات سمجھ میں آجاتی تو اُسے کرنے کے لئے دل و جان سے مستعد ہو جاتے تھے۔

باپ۔ ترک موالات کی اسکیم میں وکالت چھوڑنا بھی تھا۔ آپ نے گاندھی جی سے کہا آپ چاہیں تو میری ۵۰۰۰ روپیہ کی آمدنی کانگریس کے لئے لے لیں یا میں کانگریس کا پرچار کرنے لگوں۔ گاندھی جی نے کہا مجھے آپ کی ضرورت ہے آپ کی آمدنی کی نہیں۔ پھر کیا تھا۔ آپ نے بنگال کے ہر ایک شہر اور ہر ایک گاؤں میں گھوم کر چاروں طرف ترک موالات کی آگ سی لگا دی۔ وکیلوں نے وکالت چھوڑ دی۔ طالبعلموں نے اسکول اور کالج خالی کر دئے اور سب نے ملکر ولایتی کپڑوں کے ڈھیر میں آگ لگا کر جگہ جگہ ہولیاں منائیں۔ لوگ تلک سوراج فنڈ میں بھی دل کھول کر چندہ دینے لگے۔ ولیعہد کے آنے پر اُن کے استقبالی بائیکاٹ نے تو پبلک میں اور بھی زیادہ جوش پھیلا دیا۔

انپورنا۔ اس موقع پر کلکتہ میں کیا ہوا؟

باپ۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں والنٹیر بننے لگے۔ ادھر سرکار نے والنٹیر بننا غیر قانونی قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں لیکن باوجود اس کی

بیوی شریمتی واسنتی دیوی، ان کا اکلوتا لڑکا چیرنجن داس اور اُن کی بہن شریمتی ارمیلا دیوی بھی گرفتار ہوئیں لیکن جلد ہی رہا ہو گئیں آپ کو بھی سرکار نے ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار کر کے ۶ مہینے کی سزا کر دی۔ مگر آپ کی جلائی ہوئی آگ اور تیزی سے بھڑکنے لگی۔ سرکار گھبرا گئی اور آپ سے جیل ہی میں صلح کرنے کا پیغام بھیجا گیا۔ لوگوں کی اس میں مختلف رائیں تھیں اسلئے صلح نہ ہوئی۔

انپورنا۔ جیل سے چھوٹنے پر آپ نے کیا کیا؟

باپ۔ جیل میں آپ کی تندرستی بہت ہی خراب ہو گئی تھی۔ اسلئے جیل کے چھوٹنے کے تھوڑے دن آرام کرنے کے بعد آپ نے اپنا کام دوبارہ شروع کر دیا۔ ملک نے آپ کو ۱۹۲۲ء کی گیا کانگریس کا صدر قرار دیا۔ ۱۹۲۳ء میں پنڈت موتی لال جی نہرو اور آپ نے ملکر کانگریس کے اندر ہی سوراج پارٹی کونسل پر قبضہ کرنے کے لیئے قائم کی۔ حالانکہ اور صوبوں میں تو اس پارٹی کو کامیابی نہ ہوئی مگر ممالک متوسط اور بنگال میں سوراج پارٹی نے کونسلوں پر قبضہ کر لیا اور سرکار کے چھکے چھڑا دیے۔ ۱۹۲۴ء میں سوراج پارٹی نے کلکتہ کارپوریشن پر بھی قبضہ جما لیا تھا اور آپ اُس کے میئر چنے گئے تھے۔

انپورنا۔ پتاجی! یہ کارپوریشن اور میئر کیا ہوتے ہیں؟

باپ۔ کلکتہ۔ کراچی۔ بمبئی۔ مدراس بہت بڑے بڑے شہروں میں میونسپلٹیوں کو کارپوریشن اور اُس کے چیرمین کو میئر کہتے ہیں۔ ہاں

ہمارے رہنما



سردار ولبھ بھائی پٹیل

زیادہ کام کرنے کی وجہ سے دیش بندھو داس کی تندرستی اور زیادہ خراب ہوتی گئی اور ۱۶ر جون ۱۹۲۵ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ دیش بندھو داس کی وفات کیا ہوئی گویا گاندھی جی کا داہنا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ بنگال گویا یتیم ہو گیا اور ملک سے مصیبت زدوں کی مدد کا سہارا اُٹھ گیا۔ ملک کے خیر خواہ اور رہنما یہ کہتے ہی رہ گئے ہائے اب دیش بندھو داس کی جگہ کون لے گا۔ نوکر شاہی جماعت کے دانت کون کھٹے کریگا اسکے مقابلہ کا آدمی ہونا ہی مشکل ہے۔......

انپورنا۔ اب آپ کس کے بارہ میں بتلائیں گے؟

باپ۔ اب سردار پٹیل کے بارہ میں۔

سردار بلبھ بھائی پٹیل

باپ۔ انپورنا! سردار بلبھ بھائی پٹیل ہمارے ملک کے وہ رہنما ہیں جن کو مہاتما گاندھی اپنا سیدھا ہاتھ اور ملک اپنا سردار مانتا ہے۔ آپ کے الفاظ بہت سادہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں زلزلہ پیدا کرنے والی قوت بھری ہوتی ہے۔ آپ کی پیدائش کی ٹھیک تاریخ معلوم نہیں لیکن آپ کے والد جھبیر بھائی پٹیل (مکھیا) گجرات کے ایک بہادر اور طاقتور آدمی تھے۔ جو ۱۸۵۷ء میں جھانسی کی رانی لکشمی بائی کی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے سردار بلبھ بھائی کے والد صاحب تو بہادر تھے ہی لیکن ان کی والدہ ایک مذہبی عورت تھیں۔ وہ بڑھاپے میں بھی ہندوستان کی عورتوں کی طرح چرخہ کاتا کرتی تھیں اور گھر کا سب کام کرتی تھیں۔ ماں باپ کے اثر کی وجہ سے

سردار پٹیل ایشور بھگت اور بہت بہادر تھے۔

انپورنا۔ سردار پٹیل کانگریس کا کام کرنے سے پہلے کیا کرتے تھے؟

باپ۔ یہ احمد آباد میں بیرسٹری کرتے تھے اور آپ کی بیرسٹری بہت اچھی چلتی تھی۔ طالب علمی زندگی میں آپ ایسے سیدھے نہ تھے بلکہ بہت شریر تھے۔ استادوں کی کسی نامناسب بات کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک استاد تو آپ کو چڑانے کے لئے بزرگ صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ لڑکے بھی ایسا ہی کہتے تھے۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچپن میں بھی غیر انصافی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے ہونے پر آپ نے برٹش گورنمنٹ جیسی طاقتور سرکار سے بار بار مقابلہ کیا۔ اور ایک دو مرتبہ تو اُسے گھٹنے کے بل بیٹھنے پر مجبور کیا۔

انپورنا۔ سردار پٹیل نے تعلیم کہاں تک پائی ہے؟

باپ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بمبئی سے انٹرنس پاس کرنے پر مختاری پاس کر لی تھی۔ آپ مختار بنکر خوب روپیہ کمانے لگے اور سرکاری افسروں اور پبلک دونوں ہی میں آپ کی لیاقت کا شہرہ ہو گیا۔ آپ کی خواہش تھی کہ ولایت جا کر بیرسٹری پاس کریں اور آپ نے اُسکا انتظام بھی کر لیا۔ لیکن آپ کے جانے سے ۱۵ دن پہلے آپ کے بڑے بھائی بھٹل بھائی پٹیل (پریسیڈنٹ پٹیل) نے ولایت جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ نے اپنی جگہ اپنے بڑے بھائی کو ولایت

بھیج دیا۔ تین سال بعد وہ بیرسٹری پاس کر کے واپس آئے اور بمبئی میں وکالت کرنے لگے۔ اب سردار پٹیل بیرسٹری پاس کرنے کے لئے ولایت چلے گئے۔ یہ اپنی دھن کے بہت پکے تھے۔ ولایت میں سوائے پڑھنے کے ان کو اور کوئی شوق نہ تھا ان کے رہنے کے مقام سے ۱۱ میل کے فاصلہ پر کتب خانہ تھا۔ بہت جلد وہاں پہونچ جاتے تھے اور جب تک بند نہ ہو جاتا تھا واپس نہ آتے تھے۔ پڑھتے ہی رہتے تھے۔

شانتی۔ آخر کھانا کھانے کو تو جاتے ہونگے؟

باپ۔ نہیں، کھانا وہیں منگا لیا کرتے تھے۔ سردار پٹیل بیرسٹری میں اول درجہ میں پاس ہوئے اور اول ہی آئے تھے۔ آپ کی لیاقت کو دیکھ کر سب لوگ پروفیسر ممتحن وغیرہ دنگ رہ جاتے تھے۔ اس لئے آپ کو وظیفہ بھی ملا اور فیس بھی معاف ہو گئی تھی۔ بیرسٹری پاس کرنے کے بعد آپ فوراً ہندوستان واپس آئے۔ اور جیسا میں نے تمہیں بتایا ہے احمد آباد میں وکالت کرنے لگے۔ آپ کے بڑے بھائی پریسیڈنٹ پٹیل وکالت کے ساتھ ساتھ ملکی خدمت میں بھی حصہ لیا کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں نے ملکر طے کر لیا کہ بڑا بھائی ملک کی خدمت میں لگے اور چھوٹا بھائی گھر کے خرچ کے لئے روپیہ کمائے تھوڑے دن بعد آپ پر بھی گاندھی جی کا رنگ چڑھ گیا اور ایسا چڑھا کہ روز بروز پکا ہوتا گیا۔ اب آپ غریب کسانوں کی ترقی میں

شانتی۔ پتا جی! سردار پٹیل کو کسانوں سے بہت محبت ہے؟

باپ۔ بیٹی! اصل میں تو کسان ہی ملک کو روزی پہونچانے والے ہیں۔ اور بہت افسوس کی بات ہے کہ یہی لوگ بھوکے اور ننگے رہتے ہیں۔ شہر والے تو ایک قسم کی جنت میں رہتے ہیں۔ اگر تم گاؤں میں جاکر وہاں کی حالت دیکھو تو تمھیں اُن پر بہت افسوس آوے ایشور۔ ان کی کیا خطا ہے کہ دن رات کام کرنے پر بھی پیٹ بھر کھانا اور بدن ڈھکنے کو کپڑا بھی نہیں ملتا ہے۔ انصاف پسند۔ غریب پرور۔ سخی کیا آپ کا دل بھی ان غریبوں کی حالت دیکھ کر نہیں پسیجتا ہے؟

آج تو جب سردار پٹیل کسانوں کو دُکھی دیکھتے ہیں تو وہ زخمی پرند کے مانند تڑپتے ہیں اور ان کی مدد کے لئے جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن پہلے آپ کے خیالات ایسے نہ تھے۔

شانتی۔ پہلے اُن کے خیالات کیسے تھے؟

باپ۔ یہ سیر و تفریح میں بشاش رہتے تھے۔ مہاتما گاندھی کے برہمچریہ کی نصیحتوں پر ہنسی اُڑایا کرتے۔ ایشور پوجا کے مقابلے میں سیر کی زیادہ ضرورت اور فائدہ مند خیال کرتے تھے۔ اور ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ایشور نے ٹھیک ہی ہم لوگوں کو غلام اور انگریزوں کو ہمارا حاکم بنایا ہے ہماری بھلائی انگریزوں کی تقلید میں ہے۔

شانتی۔ مگر آجکل تو سردار پٹیل انگریزی تہذیب اور انگریزوں کے

باپ۔ میں نے تو تمھیں یہ پہلے ہی بتا دیا تھا کہ یہ گاندھی جی کا اثر ہے۔ بہادری اور نفس کشی تو آپ میں بچپن ہی سے بھری تھی۔ اب اُسکا استعمال ملک کی بھلائی کے لئے ہو رہا ہے۔ سردار جس کام میں لگ جاتے ہیں اُسے پورا کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ آپ نے گجرات میں سرکاری افسروں کے ذریعہ لی جانے والی بیگار کو بند کروایا۔ یورپ کی جنگ عظیم کے وقت گاندھی جی کے ساتھ گاؤں گاؤں گھوم کر رنگ روٹ بھرتی کئے اور جب موقع آیا تو رولٹ ایکٹ کے خلاف سرکار کی مخالفت کی۔ ترک موالات کی تحریک میں آپ نے رہی سہی وکالت کو بھی ختم کر دیا اور اس کے پرچار میں لگ گئے۔ سرکاری اسکول اور کالجوں سے نکلے ہوئے طالبعلموں کے لئے دس لاکھ روپیہ جمع کر کے گجرات یونیورسٹی قائم کی۔ کسانوں کے لئے آپ نے سب سے زیادہ کوشش کی ۱۹۲۱ء کے اور ۱۹۳۰ء کے ستیہ گرہ کی لڑائیوں میں آپ نے سادے لفظوں کو کہہ کر بغیر پڑھے ہوئے کسانوں کو بھی ملک پر جان قربان کرنے کیلئے تیار کر دیا۔ آپ کسانوں سے کہتے تھے۔ بھائیو! بیساکھ۔ جیٹھ کی شدید گرمیوں کے بغیر اساڑھ۔ ساون میں بارش نہیں ہوتی۔ پھر بغیر تکالیف سہے کیسے آزادی کے لطف اُٹھائے جا سکتے ہیں۔ سرکار تو سانپ کی کینچلی کے مانند ہے۔ ہم اس کو بات کی بات میں اپنے اوپر سے اُتار سکتے ہیں۔ جب حفاظت کرنے والا ہی ہمارا کھانے والا ہو جاتا ہے تو

گذشتہ کونسلوں کے چناؤ کے وقت آپ دہلی ہو کر پنجاب جا رہے تھے اسٹیشن پر ہندوستان ٹائمس کے ایڈیٹر نے آپ سے پوچھا۔ کونسلوں کے چناؤ میں آپ کی رائے سے کانگریس کو کیسے کامیابی حاصل ہو گی؟ آپ نے مسکرا کر کہا۔ کانگریس کو پوری کامیابی ہو گی ذرا کانگریس کا کولھو چلنے دو۔ یہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں اُسکے نیچے دب کر خود ہی چکنا چور ہو کر مٹی میں مل جائیں گی۔

شانتی۔ پتا جی! ہوا تو بالکل ویسا ہی۔ کیسی سیدھی سچی بات کہی تھی۔ پتا جی! سردار پٹیل کے کچھ اور کارنامے بھی سنائیے۔

باپ۔ ۱۹۲۶ء میں گجرات کے کچھ ضلعوں میں زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے طغیانی آگئی۔ آپ نے اس وقت اُن لوگوں کو جو طغیانی میں گرفتار تھے بہت ہی مدد پہونچائی۔ سرکار نے بھی آپ کے اس کام کی بہت تعریف کی تھی اور اُس نے ایک کروڑ روپیہ بھی سردار پٹیل کو ہی اُن لوگوں کی مدد کے لئے سونپ دیا تھا۔ مگر سردار کا لفظ آپ کے نام کے ساتھ ۱۹۲۸ء کے باردولی ستیہ گرہ سے ہی لگا۔

انپورنا۔ ہاں۔ پتا جی۔ ہمارے ہاں ایک وجئے باردولی کتاب بھی تو ہے۔

باپ۔ کیا تم نے اُسے پڑھا ہے؟

انپورنا۔ نہیں۔ پتا جی۔ آپ نے تو پڑھی ہو گی۔ اُس میں جو کچھ لکھا ہے آپ بتا دیجئے

باپ۔ اس میں اسی باردولی کے ستیہ گرہ کا بیان ہے۔ ۱۹۲۷ء میں بمبئی کی سرکار نے اُس صوبے کی لیجسلیٹو کونسل کے فیصلے اور وہاں کے کسانوں کی درخواست کے خلاف نیا بندوبست کرکے زمین کا لگان ۲۲ فیصدی بڑھا دیا۔ کسانوں نے سرکار سے درخواست کی کہ کسانوں پر بڑی زیادتی ہوئی ہے اسلئے سرکار اپنا حکم واپس لے لے مگر سرکار نہ مانی اور اُس نے ۱۲ فروری ۱۹۲۸ء لگان ادا کرنے کی آخری تاریخ مقرر کردی۔

انپورنا۔ اب کسانوں نے کیا کیا؟

باپ۔ کسانوں کے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ۱۲ فروری ۱۹۲۸ء کو ستیہ گرہ شروع کردیا سرکار سے کہہ دیا کہ کسان ایک پائی لگان نہ دینگے اگر سرکار میں طاقت ہو تو لگان وصول کرلے۔

انپورنا۔ اس پر سرکار نے کیا کیا؟

باپ۔ سرکار بگڑ بیٹھی۔ اُس نے کسانوں کو ڈرایا دھمکایا۔ مارا پیٹا۔ اُس نے عورتوں کی بے عزتی کی۔ اور اُن کی فصلیں اور زمین بھی ضبط کرلی۔ مگر ستیہ گرہ روز بروز زور پکڑتا گیا۔ سرکاری افسروں تک کو گاؤں میں سواری اور کھانا تک نہ ملا۔ بیچاروں کو ستیہ گرہ کرنیوالوں کی وجہ سے کھانا ملتا تھا۔ امریکہ کے ایک اخبار کے نامہ نگار اس سماں کو دیکھنے باردولی گئے تھے۔ اُنھوں نے لکھا تھا۔ باردولی میں پوری طرح سے ولبھ بھائی کا راج ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انگریزی سرکار سے

مہاتما گاندھی

باپ- شانتی! آج ہم تمہیں مہاتما گاندھی کے بارے میں کچھ خاص خاص باتیں بتائیں گے۔ مہاتما گاندھی کی پیدائش ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو کاٹھیاواڑ ملک کے پوربندر مقام پر اُسی ریاست کے دیوان لالہ کرم چند کے گھر ہوئی تھی۔ آپ کے والد تو نفیس منش شخص تھے لیکن آپ کی والدہ پُتلی بائی بھی بڑی ہی حق پرست تھیں انھوں نے اپنے بچے کا نام موہن داس رکھا تھا۔ گاندھی ان کا گوتر تھا۔ اسلئے کاٹھیاوار ملک کی رسم کے لحاظ سے بچے کے نام کے بعد باپ کا نام ملے کر ان کا پورا نام موہن داس کرم چند گاندھی ہوا۔ بچپن میں موہن داس بہت ہی معمولی سمجھ کے اور شرمیلے تھے ان کے والدین نے، ۸ ہی برس کی عمر میں آپ کی سگائی اور ۱۴ برس کی عمر میں شادی کر دی تھی۔

شانتی- چودہ برس کی عمر میں ہی شادی کر دی تھی!

باپ- ہاں اُن دنوں چھوٹی عمر کی شادی بُری نہ خیال کی جاتی تھی۔ ماں باپ اپنے بچے کو پڑھانا لکھانا اسقدر ضروری خیال نہ کرتے تھے جتنا اُن کی سگائی اور شادی کر دینا۔ ہاں ایک طرف آپ پڑھتے بھی تھے اور دوسری طرف آپ گرستھ بھی تھے۔ انھیں دنوں میں آپ کو گوشت اور پان کا شوق ہو گیا لیکن والد صاحب کے انتقال کے بعد آپ ٹھیک ہو گئے انٹرنس پاس کرنے کے بعد کچھ دنوں تک کالج میں

ہمارے رہنما



پڑھ کر آپ بیرسٹری پڑھنے کے لئے ۴ ستمبر ۱۸۸۸ء کو ولایت گئے۔ ان دنوں ولایت جانا بہت ہی بُرا خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ لوگوں کو یقین تھا کہ وہاں جا کر آدمی بغیر شراب و گوشت کے نہیں رہ سکتا اور بُرے چال چلن کا ہو جاتا ہے۔

شانتی۔ پھر اُن کی پُرانے ڈھنگ کی ماتا (والدہ) نے انہیں ولایت جانے کی اجازت کیسے دی؟

باپ۔ انھوں نے آپ سے وعدہ کرا لیا کہ وہاں جا کر گوشت و شراب استعمال نہ کرنا اور اچھے چال چلن کے ہو کر رہنا۔ اور آپ نے اپنا وعدہ پوری طرح سے نبھایا بھی۔ ولایت میں یہ بڑے ہی سادے اور کم خرچ پر رہے۔ گوشت و شراب کو چھوا تک نہیں اور گیتا اور بائبل وغیرہ مذہبی کتابیں بھی پڑھنے لگے۔ حاصل کلام یہ کہ آپ بہت پکے مذہب کے اور اچھے چال چلن کے ہو گئے۔ ولایت سے بیرسٹری پاس کر کے ۱۲ جون ۱۸۹۱ء کو آپ ہندوستان روانہ ہوئے۔

انپورنا۔ یہاں آکر آپ نے کہاں وکالت شروع کی؟

باپ۔ بمبئی میں۔ مگر آپ کی وکالت کچھ نہ چلی۔ مجبور ہو کر آپ راجکوٹ چلے گئے وہاں عرضی دعوے لکھ کر اپنی گذر کرنے لگے۔ ان دنوں کچہری میں جاتے ہی آپ کی زبان لڑکھڑاتی اور ہاتھ پیر کانپنے لگتے تھے ایک مرتبہ آپ کاٹھیاوار ریاست کے پولٹیکل ایجنٹ سے اپنے بڑے بھائی صاحب کی جو ایک ریاست کے وزیر تھے سفارش کرنے گئے

اس نے آپ کی پوری بات سُنے بغیر ہی چپراسی سے باہر نکلوا دیا اب تو ان کی ہمت اور بھی ٹوٹ گئی۔ اور آپ نوکری کی تلاش میں رہنے لگے۔ خوش قسمتی سے آپ کو افریقہ جانے کا موقع مل گیا۔

انپورنا۔ وہ کیسے؟

باپ۔ پوربندر میں ایک میمن فرم (کمپنی) تھا۔ اسکا افریقہ میں ۴۰ ہزار پونڈ کا دعوےٰ تھا۔ اسی فرم نے اس دعوے کی دیکھ بھال کے لئے مفت رہنے اور کھانا۔ فرسٹ کلاس کا کرایہ اور ۱۰۵ پونڈ محنتانے کی شرط پر انھیں افریقہ بھیج دیا۔ مگر تقدیر تو ایک قدم آگے چلتی ہے۔ افریقہ میں پہلے ہی دن عدالت میں پہونچنے پر آپ سے صافہ اُتارنے کو کہا گیا۔ بس آپ فوراً وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے اور اخباروں میں اس معاملے کو چھپوا دیا۔ مقدمے کی پیروی کرنے کیلئے آپ گاڑی کے فرسٹ کلاس ڈبے میں پریٹوریا (افریقہ کا ایک شہر) جا رہے تھے۔ رات کے ۹ بجے ایک سپاہی نے آکر آپ سے کہا اس ڈبے سے اُتر کر آخری ڈبے میں جا بیٹھو۔ آپ نے انکار کیا سپاہی نے فوراً ہاتھ پکڑ کر نیچے اُتار دیا۔ اور آپ کا سامان بھی پھینک دیا۔ آپ ہینڈ بیگ لئے ہوئے ساری رات ویٹنگ روم میں ٹھہرے رہے

انپورنا۔ یہ تو اُس سپاہی کی بڑی زبردستی تھی۔ جب آپ کے پاس فرسٹ کلاس کا ٹکٹ تھا تو سپاہی کو اُن کے اُتارنے کا کوئی حق نہ تھا۔

باپ۔ بیٹی! حکومت کرنے والوں کو سب حق ہوتے ہیں۔ بھلا دنیا میں غلام لوگوں کا بھی کوئی حق ہوا ہے۔ افریقہ پر گوروں کا راج تھا۔ پھر

۵۵

کالوں کی کیوں پرواہ کرنے لگے۔ ایک دوسرے موقع پر گاندھی جی کو گھوڑا گاڑی میں گوروں کے ساتھ نہ بٹھا کر پیچھے بٹھایا گیا۔ راستے میں ایک گورے نے کہا تم یہاں سے اُٹھ جاؤ اور ہمارے پیروں میں بیٹھو۔ گاندھی جی نے انکار کیا تو انھیں خوب ہی مارا پیٹا۔ ہوٹل میں پہنچے تو انھیں ہوٹل میں جگہ نہ ملی خیر گرتے پڑتے پریٹوریا پہونچ ہی گئے۔

انپورنا۔ افریقہ میں گورے لوگ ہندوستانیوں کے ساتھ بہت ہی بُرا برتاؤ کرتے تھے۔

باپ۔ وہ حکومت کرنے والوں کی ذات کے تھے وہ جو کچھ کرتے ٹھیک تھا۔ اتنا ہی نہیں کچھ شہروں میں تو ہندوستانی رات کو ۹ بجے کے بعد اجازت کا پروانہ لئے بغیر گھر کے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ اُنکے لئے سڑک کی پگڈنڈی پر چلنا منع تھا۔ اور کارخانے کے گورے ہندوستانی قلیوں اور مزدوروں کو مارتے بھی تھے۔

شانتی۔ اور اسپر بھی ہندوستانی خاموش تھے؟

باپ۔ اور کرتے بھی تو کیا۔ مثل مشہور ہے کہ زبردست مارتا ہے اور رونے نہیں دیتا۔ خیر۔ گاندھی جی نے گوروں کے خلاف ایک بڑی تحریک شروع کر دی۔ اخباروں میں مضمون لکھے۔ ہندوستان کے رہنماؤں کے ساتھ لکھا پڑھی کی۔ لندن میں انگریزی راج کے عہدہ داروں کے پاس یادداشت میموریل روانہ کئے اور کچہری میں مقدمے لڑائے۔

شانتی۔ ان سب کا کیا نتیجہ ہوا؟

باپ۔ افریقہ میں ہندوستانیوں کی بہت تھوڑی سی تکلیفیں ضرور رفع ہوگئیں اور گاندھی جی سے لوگوں کو اعتقاد ہوگیا۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں آپ ہندوستان اپنے تمام خاندان کو لینے کے لئے آئے۔ یہاں آکر آپ نے اخباروں میں جلسوں میں اور چھوٹی سی کتاب لکھ کر افریقہ کے ہندوستانیوں پر گوروں کی سختیوں کے خلاف بہت زبردست تحریک پیدا کردی آپ دسمبر سنہ ۱۸۹۶ء میں اپنے خاندان کے ساتھ افریقہ لوٹ گئے۔ وہاں کے گورے لوگ اس بات پر بہت بگڑے کہ گاندھی نے ہندوستان میں جاکر ہمارے خلاف تحریک کی ہے۔

شانتی۔ انھوں نے کیا کیا؟

باپ۔ انھوں نے پہلے یہ ضد کی کہ ہندوستانیوں سے بھرا ہوا یہ جہاز ہندوستان کو لوٹ جائے ہم لوگ اسکا سب خرچہ دے دیں گے گورے لوگ جوش کے مارے آپے سے باہر تھے۔ گاندھی جی کو خاموشی کے ساتھ شام کے وقت جہاز سے اُتار اگیا گوروں کو خبر لگگئی تو اُنھوں نے راستے میں گاندھی جی کو گھیر کر بہت کچھ مارا پیٹا۔ اُن کا صافہ اُتار کر پھینک دیا اور اُنھیں مارتے مارتے ادھمرا کردیا۔ اگر وہاں کے پُلیس سپرنٹنڈنٹ اور ان کی بیوی آکر گاندھی جی کو نہ بچاتے تو گورے انھیں جان سے مار دیتے۔ گاندھی جی کو رستم جی کے بنگلے پر ٹھہرایا گیا۔ یہ خبر پاکر گوروں نے رستم جی کا بنگلہ بھی آگھیرا۔ پھر وہاں سے پُلیس سپرنٹنڈنٹ بھیس بدلکر گاندھی جی کو تھانے میں لے گئے۔ تب کہیں گاندھی جی کی جان بچی۔ لوگوں نے

گاندھی جی کو صلاح دی کہ گوروں پر مقدمہ ضرور چلایا جاوے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔

شانتی۔ گاندھی جی ڈر گئے ہونگے۔ وہ ڈرتے ہونگے کہ مقدمہ لڑانے پر گورے انھیں جان سے مار ڈالیں گے۔

باپ۔ نہیں۔ گاندھی جی ڈرتے تو پرماتما کے سوائے کسی سے بھی نہیں ان کا عقیدہ تھا کہ بدلہ لینے کی طاقت ہوتے ہوئے بھی دشمن کو معاف کر دینا کہیں زیادہ اچھا ہے۔ ہاں۔ افریقہ میں رہ کر گاندھی جی دوبارہ پبلک کی خدمت کرنے لگے۔ سنہ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۲ء تک انگریزوں اور افریقہ کے رہنے والوں کے درمیان ہونے والی بوئر لڑائی میں آپ نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر ۱۱۰۰ والنٹیروں کے ساتھ زخمیوں کی مرہم پٹی اور خدمت کی۔ جب ڈربن میں پلیگ پھیلا تو آپ نے پبلک کو بہت مدد پہونچائی۔ ہندوستان میں قحط پڑا تو آپ نے افریقہ سے چندے کی ایک بہت بڑی رقم جمع کر کے ہندوستان کے لوگوں کی مدد کے لئے روانہ کی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں آپ ہندوستان واپس آ گئے اور کانگریس سے کچھ دلچسپی لینے لگے۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں آپ دوبارہ افریقہ گئے۔

انپورنا۔ وہ کس لئے؟

باپ۔ وہاں کے ہندوستانیوں کو آپ کی خدمات کی ضرورت تھی۔ اس مرتبے وہاں رہکر آپ نے انڈین اوپینین نام کا اخبار نکالا۔ وہاں ایک برٹش انڈین جماعت قائم کی اور کچھ زمین لے کر ایک پریس بھی جاری کیا

اس مرتبہ آپ کے کام میں کچھ سچے اور ایماندار گورے بھی مدد دینے لگے۔ یہاں آپ نے ہمیشہ کے لئے برہم چاری رہنے کی ٹھانی تھی۔ یکم اگست ۱۹۲۰ء کو گاندھی جی نے سب سے پہلے ستیہ گرہ کی لڑائی افریقہ میں ہی لڑی تھی۔

انپورنا۔ وہاں گاندھی جی کو کس لئے ستیہ گرہ کرنا پڑی تھی؟

باپ۔ ۱۹۰۶ء میں جنوبی افریقہ کے ٹرانسوال صوبہ کی کونسل میں یہ بل پیش ہوا کہ ٹرانسوال میں رہنے کے شائقین تمام ہندوستانیوں کو پروانہ لینا ہوگا پروانہ لیتے وقت دونوں ہاتھوں کی سب انگلیوں اور انگوٹھے کے نشان تو دینے ہی ہونگے اور ساتھ ساتھ بدن کے اور نشانات بھی دکھائے جاویں گے اور ہر ایک ہندوستانی کو یہ پروانہ ہر وقت اپنے پاس رکھنا پڑے گا۔

انپورنا۔ کیا ہندوستانی ہونا گناہ ہے؟ اس سے تو ہندوستانیوں کی بہت بے عزتی تھی۔

باپ۔ تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ ہندوستانیوں نے اس بے عزتی کو خاموشی سے نہیں سہا انہوں نے اس بل کے خلاف جلسے کئے اور ایشور کو حاضر ناظر جانکر یہ وعدہ کرایا کہ اگر یہ بل پاس بھی ہوگیا تو ہم اسکو نہیں مانینگے چاہے ہم کو اسکے لئے جان تک دینا پڑے۔ اب تو اس تحریک کی آگ چاروں طرف پھیل گئی۔ ادھر سرکار بھی اپنی ضد پر اڑ گئی۔

شانتی۔ پھر کیا ہوا؟

باپ۔ سرکار نے یکم اگست ۱۹۰۷ء کو پروانے لینے کی تاریخ مقرر کردی گاندھی جی اور انکے ساتھی ستیہ گرہیوں نے پکٹنگ شروع کیا۔ سرکار

ہلکے ہتھا

ستیہ گرہیوں کو پکڑ کر جیل میں بند کرنے لگی۔ اس تحریک نے اور بھی زور پکڑا۔ سرکار نے گھبرا کر گاندھی جی سے سمجھوتہ کر لیا۔ صلح میں سب قیدیوں کو رہا کر دیا اور پروانہ لینا ان کی خواہش پر چھوڑ دیا۔

۱۰ فروری سنہ ۱۹۰۸ء کو گاندھی جی اپنی خواہش سے پروانہ لینے جا رہے تھے۔ مخالف لوگوں نے بغیر پڑھے (جاہل) لوگوں سے کہہ دیا کہ گاندھی دوسروں کو تو پروانہ لینے کو منع کرتا ہے اور خود سرکار سے مل رہا ہے تبھی تو پروانہ لینے جا رہا ہے۔ پھر کیا تھا۔ بغیر پڑھے افغان لوگوں نے گاندھی جی کو مارتے مارتے بیہوش کر دیا۔ پٹھان گرفتار کیے گئے مگر گاندھی جی نے اُنھیں چھڑا دیا۔ گاندھی جی کو تھوڑے عرصہ بعد پھر ستیہ گرہ کرنا پڑا۔

شانتی۔ وہ کس طرح؟

باپ۔ سرکار نے وعدہ تو کر لیا تھا مگر قانون رد نہیں کیا۔ یہاں تک کہ نئے ہندوستانیوں کو ٹرانسوال میں نہ گھسنے دینے کا بھی قانون پاس کر دیا۔ اس مرتبہ تو گاندھی جی کی اس ستیہ گرہ نے اور بھی زیادہ زور پکڑا گرفتاریوں پر گرفتاریاں ہونے لگیں۔ افریقہ کی سرکار کی سختیوں کے خلاف ہندوستان میں بھی بہت زوروں کے ساتھ مخالفت ہونے لگی۔ مہاتما گوکھلے نے بہت سا روپیہ ہندوستان سے جمع کر کے گاندھی جی کو افریقہ بھیجا تھا۔ افریقہ میں اس ستیہ گرہ میں اُن کے انگریز ساتھی مسٹر ہنری پولک اور جرمن سگے دوست کیلن بیک بھی گرفتار ہوئے تھے۔ آخرکار سرکار کو مجبور ہو کر سمجھوتہ کرنا پڑا۔ [illegible] ستیہ گرہ کی [illegible] اور

۳۰ رجون ۱۹۱۴ء کو بند ہوئی۔ گاندھی جی نے اس ستیہ گرہ میں بہت بہت مشکلات سہیں۔ ان سے جیل میں سر پر پاخانے سے بھری بالٹیاں اٹھوائی گئیں۔ چکی پسوائی گئی اور سڑکیں کٹوائی گئیں۔ کبھی کبھی تو سڑکیں کوٹتے کوٹتے آپ کے ہاتھوں سے خون بہ نکلتا اور آپ بیہوش ہو کر گر جاتے تھے

شانتی۔ پتاجی! مہاتما جی کو بہت ہی تکلیفیں اٹھانا پڑی ہیں۔

باپ۔ بیٹی! کندن کی جانچ آگ میں پڑنے سے ہی ہوتی ہے اور مہندی پتھر پر پسنے کے بعد ہی ہاتھ میں رنگ لاتی ہے۔ اسی طرح نفس کشی اور ریاضت سے ہی لوگ مہاتما بنتے ہیں سر کے بال منڈوانے اور رنگین کپڑے پہننے سے نہیں۔ مہاتما گاندھی درحقیقت مہاتما ہیں۔ افریقہ میں ستیہ گرہ ختم کرنے کے بعد مہاتما جی مہاتما گوکھلے سے (جو بیمار تھے) ملنے کے لئے ہندوستان آئے۔ یہاں بمبئی اور پونا میں آپ کا بہت ہی عزت سے استقبال کیا گیا۔ ۱۹۱۵ء میں آپ نے احمد آباد میں سابرمتی ندی کے کنارے ستیہ گرہ کا مقام قائم کیا۔ مقام قائم کرنے کے بعد پہلے آپ گروکل کانگڑی اور شانتی نکیتن میں مہاتما منشی رام (سوامی شردھانند) اور کوندر اہندرونندرسے بھی ملے تھے۔ گروکل کانگڑی میں آپ کو جو ایڈریس دیا گیا تھا اس میں سب سے پہلے آپ کے لئے مہاتما لفظ استعمال کیا گیا تھا۔ تب ہی سے آپ گاندھی کی جگہ مہاتما گاندھی کے نام سے مشہور ہیں۔

انپورنا۔ ہندوستان میں آکر مہاتما گاندھی نے کیا کام شروع کیا؟

باپ۔ یہاں آکر گاندھی جی نے ہندوستان کی خدمت کا بیڑا اٹھایا

بہار کے گورے زمیندار کسانوں پر بہت ظلم کیا کرتے تھے کسانوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ اپنی زمین کے بڑے حصے میں گورے زمینداروں کیلئے نیل کی کھیتی ضرور کریں جب گاندھی جی کو یہ معلوم ہوا تو آپ اپریل ۱۹۱۷ء میں بہار پہونچے ۔ پٹنہ ۔ مظفر پور اور چمپارن شہروں میں دورہ کیا ۔ چمپارن کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے آپ کو چوبیس گھنٹے کے اندر ضلع چھوڑ دینے کا حکم دیا ۔ آپ نے حکم نہ مانا اور اسلئے گرفتار کئے گئے ۔ بعد میں سرکار نے آپ کو چھوڑ دیا ۔ اور وہاں کام کرنے کی اجازت بھی دے دی ۔ آپ نے بہار کے گاؤں گاؤں میں گھوم کر کسانوں کے بیان لئے اور وہاں کی حالت کو اچھی طرح دیکھا ۔ بمبئی کے ملکی خادموں کو بلا کر بہار کے گاؤں کی صفائی تعلیم وغیرہ کا کام شروع کیا ۔ آپ کی کوشش سے گورے زمینداروں کے ظلموں سے کسانوں کو رہائی مل گئی ۔ تب ہی سے بہار کے کسان گاندھی جی کی بہت عزت کرتے ہیں ۔ گاندھی جی کا کہنا ہی بہار کے کسانوں کے لئے حکم کا کام کرتا ہے ۔

انپورنا ۔ پتا جی ! گاندھی جی غریبوں کا دکھ نہیں دیکھ سکتے ہیں ؟

باپ ۔ وہ مہاتما ہیں ۔ وہ کسی کا دکھ ۔ تکلیف اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ہیں لیکن غریبوں کا دکھ دیکھ کر ان کا دل پگھل جاتا ہے اس کے بعد احمد آباد جا کر ملوں کے مالکوں اور مزدوروں میں ۲۱ دن کی بھوک ہڑتال کر کے فیصلہ کروایا ۔ احمد آباد سے آپ کسانوں کی مدد کرنے کیلئے بمبئی صوبہ کے کھیڑا مقام میں پہونچے ۔

انپورنا۔ وہاں کسانوں کا کیا معاملہ تھا؟

باپ۔ کھیڑا میں فصلیں تباہ ہو گئی تھیں۔ قانون کے مطابق لگان معاف ہونا چاہئے تھا۔ سرکار لگان معاف کرنے کو راضی نہ ہوئی کسانوں کی درخواستوں کا خیال نہ کیا گیا۔ لاچار ہو کر گاندھی جی نے کسانوں کو ستیہ گرہ کرنے کے لئے مجبور کیا۔ ادھر سرکار نے بھی اپنے ہتھیار ٹھیک کر لئے۔ کسانوں کے گھر کا سامان۔ جانور۔ کھیتی نیلام کر کے انھیں جیلوں میں ڈال دیا۔ کسان بھی کمر کس کر مقابلے کے لئے تیار ہو گئے لاچار ہو کر سرکار کو لگان معاف کرنا پڑا۔ اب تو گجرات کے کسانوں کو یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ جب کسان اپنے دل کی کرنا چاہیں گے تو انھیں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں دبا سکتی۔

شانتی۔ مہاتما جی انوکھے آدمی ہیں۔ کبھی کبھی تو اُن کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ آپ ہی نے بتلایا تھا کہ یورپ کی جنگ عظیم میں آپ نے سرکار کے لئے رنگروٹ بھرتی کروائے تھے۔

باپ۔ مہاتما تو ہمیشہ ہی انوکھے آدمی ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ انصاف کی طرف ہوتے ہیں خواہ وہ سرکار کی طرف سے ہو یا پبلک کی طرف سے اسی لئے تو مہاتما گاندھی موم سے زیادہ ملائم اور پتھر سے زیادہ سخت ہیں وہ ہر ایک معاملے میں آپس کے میل جول اور صلح سے کام نکالنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلتا ہے تو ستیہ گرہ پر تُل جاتے ہیں۔ اس لئے تو انھوں نے کتنی بار ہندوستان کے وائسرائے کو

خطوط لکھے ہیں ملاقاتیں کی ہیں اور کئی بار سرکار کے حکم کو نہ ماننے کی وجہ سے جیل کے مصائب برداشت کیئے ہیں۔ تب بھی ان کو کسی سے نفرت اور عداوت نہیں۔ مہاتما گاندھی نے اگر یورپ کی جنگ عظیم میں انگریز سرکار کو رنگروٹ بھرتی کروائے تھے تو ۱۹۲۱ء کی ترک موالات اور ۱۹۳۰ء کے ستیہ گرہ کو جاری رکھ کر سرکار کو پریشان بھی تو کیا تھا۔

شانتی۔ پتاجی! بڑا کام تو دوسرے لوگ کرتے ہیں اور گاندھی جی برت کیوں کر بیٹھتے ہیں؟

باپ۔ انھیں اپنی ریاضت (تپسیا) پر پورا بھروسا ہے جب ملک میں جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کے جھگڑے ہوئے تھے تب گاندھی جی نے ۱۹۲۴ء کو دہلی میں ۲۱ دن کا برت رکھا تھا۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۲ء کو آپ نے جیل میں تمام زندگی برت رکھنے کی اطلاع سرکار کو دے دی تھی۔

شانتی۔ یہ کیونکر؟

باپ۔ لندن کی گول میز کانفرنس میں سرکار نے ہندوستان کے اچھوتوں کو ہندوؤں سے علیحدہ چناؤ کے اختیار دے دیئے تھے۔ سرکار اس چال سے اچھوتوں کو ہندوؤں سے علیحدہ کرنا چاہتی تھی۔ مہاتما گاندھی نے گول میز کانفرنس میں بھی سرکار کی اس رائے کی مخالفت کی تھی۔ مگر سرکار نے نہ مانا تو انھوں نے برت رکھنے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر سرکار نے کہہ دیا اگر اچھوت لوگ ہندوؤں سے صلح کر لیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ یہ خبر پاتے ہی پنڈت مالوی جی گھنشیام داس برلا وغیرہ سب ہی چھوٹے بڑے رہنما

پونا میں پہونچے اور پونا پیکٹ کے نام سے اچھوتوں اور دیگر ہندؤں کے درمیان صلح ہو گئی۔ اور علحدہ چناؤ رد ہو گیا۔ اور اچھوت قوموں کی حفاظت کرنے کیلئے ہریجن سیوک سنگھ (اچھوتوں کی مدد کرنے والی انجمن) قائم کی گئی۔ یہ انجمن تمام ہندوستان میں کام کر رہی ہے۔

شانتی۔ یہ انجمن کیا کام کر رہی ہے؟

باپ۔ یہ انجمن اچھوتوں کی تعلیم میں مدد دیتی ہے۔ لوگوں سے چھوت چھات مٹانے کی تلقین کرتی ہے۔ اچھوتوں کو دوسرے ہندؤں کے ساتھ کنوئیں اور مندر پر چڑھ کر حقوق دلاتی ہے۔ گاندھی جی کہتے ہیں اچھوت ہمارے بھائی ہیں۔ اُن کے بھی ہمارے جیسی جان ہے اور ان کا وہی ایشور ہے جو ہمارا ہے۔ پھر ہم ان کو اچھوت کیوں سمجھیں۔

انپورنا۔ اسکا کچھ نتیجہ بھی ہوا؟

باپ۔ جو نتیجہ اس سے پچھلے کئی سو برسوں میں نہیں ہوا تھا۔ وہ گاندھی جی کے اس اچھوت تحریک سے ہو گیا۔ ہندو لوگ اب اچھوتوں سے اچھی طرح ملتے ہیں۔ کانگریس کے وزیر لوگ اچھوت ذاتوں کی ترقی کیلئے اپنے سالانہ بجٹ میں علحدہ رقم منظور کر رہے ہیں۔ ٹراونکور ریاست کے مہاراج نے تو اپنی ریاست کے تمام مندروں کو اچھوتوں کے لئے کھول دیا ہے۔

انپورنا۔ پتاجی! گاندھی جی کھدر سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ یہاں کھدر فروخت کرنے کے لئے گاندھی آشرم ہیں ہمارے بنارس میں بھی کھدر بھنڈار ہیں اور

شاید اور جگہ بھی ایسے ہی کھدر بھنڈار ہوں۔

باپ۔ گاندھی جی تو کھدر کو غریبوں کا ایشور کہتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ کھدر ہی ہندوستان کے تمام دکھوں کو دور کرے گا۔ کھدر غریب مفلس لوگوں۔ بیواؤں اور یتیموں سب کو کھانا دیتا ہے۔ اسی لیے انھوں نے سارے ہندوستان کا دورہ کرکے اس غریبوں کے ایشور کے لیے تقریباً ۱۰ لاکھ کا چندہ کرایا تھا۔ اس رقم سے آپ نے وار دھا کے سیٹھ جمنا لال بزاز احمد آباد کے سیٹھ شنکر لال بنکر وغیرہ لوگوں کی نگرانی میں آل انڈیا سپنرز ایسوسی ایشن قائم کر دی ہے۔

انپورنا۔ یہ ایسوسی ایشن کیا کام کرتی ہے؟

باپ۔ کھدر کے پرچار کے لئے ہندوستان کے ہر جگہ اپنے روپیہ سے کھدر کے مقام قائم کرتا ہے۔ کھدر کے بھنڈار قائم کرنے والوں کو ضرورت ہو تو روپیہ سے مدد کرتا ہے۔ ان کھدر بھنڈار کے کپڑوں کے نرخ مقرر کرتا اور اُنکے حساب کی نگرانی رکھتا ہے۔ عمدہ کھدر کے بھنڈاروں کو سرٹیفکٹ بھی دیتا ہے

انپورنا۔ گاندھی جی ہاتھ کے کتے اور ہاتھ سے بنے کپڑوں کے پہننے کیلئے کیوں کہتے ہیں؟

باپ۔ اسلئے کہ ہمارا سب روپیہ ہمارے ہی ملک میں رہے اور ہمارے ہی ملک کے جولاہے۔ کاتنے والے اور رنگریزوں کو اسکا سب روپیہ ہو سکے۔ اس طرح ان بچاروں کو پیٹ بھرنے کو کھانا اور بدن

ڈھکنے کو کپڑا مل جائے۔

انپورنا۔ ہمارے ملک میں ولایتی ملیں بھی تو ہیں مگر ہم اُنکا بُنا ہوا کپڑا پہنیں گے تو بھی تو ہمارا روپیہ ہمارے ہی ملک میں رہے گا۔

باپ۔ سب تو نہیں ہاں تھوڑا سا ضرور رہے گا زیادہ تر تو قیمتی مشینیں وغیرہ چیزیں خریدنے میں غیر ممالک کو چلا جاوے گا اس طرح ہمارا ملک روز بروز غریب ہوتا جاوے گا۔ اسی لئے گاندھی جی کہتے ہیں کھدر پہنو۔ ہاتھ کا کُٹا ہوا چاول اور ہاتھ کا بنا ہوا گڑ کھاؤ۔ مشینوں کا بائیکاٹ کرو اور ہاتھ سے بنی چیزوں کا استعمال کرکے تم اپنے ہندوستان کے غریبوں کی مدد کروگے اور مشینوں سے بنی ہوئی چیزوں کا استعمال کرکے تم ہندوستان کو غریب بناؤگے۔ اسکے علاوہ ہاتھ سے بنی ہوئی چیزوں کو خریدنے سے روپیہ غریبوں کے پاس پہونچ جاتا ہے اور مشین کی بنی چیزیں خرید کر ہم ایک مالدار کو اور زیادہ مالدار بنا دیتے ہیں یہ مالدار عیش و آرام میں ہی اس روپیہ کو خرچ کر دیتے ہیں۔

انپورنا۔ تو کیا گاندھی جی کو امیروں سے نفرت ہے؟

باپ۔ رام رام!! گاندھی جی کو اور کسی سے نفرت۔ غریبوں کی مدد کرنے کا مطلب یہ کبھی نہیں کہ امیروں سے نفرت کی جائے۔ امیر لوگ بھی تو اپنے دھن (روپیہ) سے کھدر وغیرہ ہاتھ سے بنی چیزوں کے بھنڈار کھول کر غریبوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

شانتی۔ پتا جی! [illegible] کے بغیر تو ہمارے ہندوستان کے لئے

کپڑا کبھی نہیں بن سکتا۔

باپ۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے تو یہاں مشینوں کا نام تک نہ تھا۔ پھر وہ کپڑا کہاں سے آیا۔ سب کپڑا ہاتھ سے کتے اور ہاتھ سے بنے سوت کا ہوتا تھا۔ مشینوں کی وجہ سے کپڑا زیادہ تیار ہونے لگا ہاتھ سے کم ہوتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہر ایک آدمی کے پاس کپڑوں کے کئی کئی صندوق بھرے رکھے ہیں پہلے اُن کے پاس کم کپڑے ہوتے تھے۔ جسم تب بھی ڈھک جاتا تھا اور اب بھی۔

شانتی۔ گاندھی جی تو کونسل کے ممبر ہونگے؟

باپ۔ نہیں۔ ان کو کونسلوں پر اعتماد نہیں ہے۔ وہ تو کونسلوں سے باہر ہی رہ کر پبلک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ کئی سال سے تو وہ کانگریس کے ممبر بھی نہیں۔ انھوں نے گرام سدھار کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

شانتی۔ مگر گذشتہ سال کونسلوں میں وزارت حاصل کرنے کے لئے غور کیا جا رہا تھا اور سب کانگریسی رہنما تھے تو کانگریس جلسے میں گاندھی جی بھی شامل تھے۔

باپ۔ جب کانگریس کے زیادہ لوگوں نے کونسلوں میں جانا طے کیا تو اُنھوں نے سب کو مبارکباد دی۔ وہ کانگریس کے ممبر نہیں لیکن کانگریس کی خدمت انجام دینے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ اور جس جس وقت ملک کے سامنے کوئی مرحلہ پیش ہوا ہے تو اسکو سلجھانے کیلئے گاندھی جی کو ضرور

بلایا جاتا ہے۔ کونسلوں میں وزارت حاصل کرنے کا سوال بھی گاندھی جی نے ہی حل کیا تھا۔

شانتی۔ پتاجی! گاندھی جی کبھی کانگریس کے صدر بھی ہوئے ہیں یا نہیں؟

باپ۔ ہاں ۱۹۲۴ء کی بیل گاؤں کانگریس کے صدر ہوئے تھے مگر اُن کے لئے کانگریس کے صدر کا عہدہ کوئی بڑا عہدہ نہیں۔ وہ تو ہندوستان کی روح اور یہاں کے بغیر تاج کے بادشاہ ہیں۔ سارے ہندوستانی انھیں بزرگ (مہاتما) خیال کرتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں وہ دنیا کے سب سے بڑے مہاتما ہیں۔ کیونکہ وہ تمام دنیا میں محبت اور امن کا راج قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

شانتی۔ پتاجی! ہم لوگ بھی خوب ہیں جو گاندھی جی کے ملک میں پیدا ہوئے ہیں اور مہاتما گاندھی کے درشن بھی کئے ہیں!

باپ۔ سچ مچ ہم لوگ خوب ہیں۔ دنیا کے بہت سے لوگ تو اس مہاتما کے دیدار کے لئے بےچین ہیں۔ اچھا نمستے۔

شانتی وانپورنا۔ پتاجی! نمستے۔

پنڈت جواہرلال نہرو

باپ۔ انپورنا۔ آج میں تمھیں ہندوستان کے نوجوانوں کے سرتاج آزادی کے پروانے بہت بہادر پنڈت جواہرلال نہرو کے بارے میں کچھ بتاؤنگا

پنڈت جی کی پیدائش ۱۴ نومبر ۱۸۸۹ء کو الٰہ آباد میں پنڈت موتی لال جی نہرو کے گھر میں ہوئی۔ امیر باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے آپ کی پرورش اور تعلیم انگریزی آیاؤں اور استادوں کے ذریعہ گھر پر ہی ہوئی۔ آپ کو بچپن ہی سے کھیلنے کودنے۔ گھوڑے پر چڑھنے اور تیرنے کا بڑا شوق تھا۔ حالانکہ آپ کے رہنے کے طریقے بالکل ولایتی تھے۔ مگر پانچ سال کی عمر میں آپ کی مکتب کی رسم ہندوستانی طریقے سے منائی گئی۔ بچپن میں پنڈت جواہر لال بڑے ہی بھولے۔ سنجیدہ اور امن چاہنے والے تھے۔

انپورنا۔ بڑے ہو کر پنڈت جواہر لال جی کس اسکول اور کالج میں پڑھے؟

باپ۔ قریب ۱۵ سال کی عمر تک تو جواہر لال کو ایک بڑے ہی شریف انگریز مس۔ ایف۔ ڈی بروکس اور ڈاکٹر گنگا دھر جھا وغیرہ انگریزی۔ ہندی اور اردو وغیرہ پڑھاتے رہے۔ ۱۹۰۵ء میں پنڈت موتی لال جی اپنے نور نظر جواہر لال کو ولایت لے کر گئے وہاں انھیں انگلینڈ کے مشہور ہیرو اسکول میں داخلہ کروا کر پنڈت موتی لال جی تو ہندوستان کو واپس آ گئے۔ اپنے لڑکے کی تعلیم کے لئے پنڈت موتی لال جی نے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا اسلئے انٹرنس پاس کر کے آپ کیمبرج یونیورسٹی کے ٹرنیٹی کالج میں داخل ہوئے۔ اُن دنوں اسی کالج میں شروانی صاحب، امرتسر کے ڈاکٹر کچلو اور بہار کے ڈاکٹر محمود وغیرہ ہندوستانی بھی آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ آپ نے ۱۹۱۰ء میں ایم اے پاس کر کے سنہ ۱۹۱۲ء میں بیرسٹری پاس کر لی اسکے بعد یورپ کے کچھ ملکوں کی

سیر کر کے آپ ہندوستان واپس آگئے۔

انپورنا۔ ہندوستان میں آ کر پنڈت جواہر لال جی نے کہاں وکالت شروع کی؟

باپ۔ آپ اپنے والد کے ساتھ تھوڑی بہت وکالت کرتے رہے مگر وکالت میں آپ کا دل نہ لگا۔ فروری ۱۹۱۶ء میں آپ کی شادی شریمتی کملا دیوی کے ساتھ بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہوئی تھی اور اُس کے ایک ہی سال بعد آپ کے گھر کماری اندرا کی پیدائش ہو گئی۔ انگلینڈ سے واپس آنے پر حالانکہ آپ یوروپین ٹھاٹ میں رہتے تھے تو بھی آپ کے دل میں اپنے ملک کی غلامی بہت ناگوار تھی اسی لئے آپ کانگریس دیکھنے جانے لگے اور کانگریس کے لیڈروں سے ملنے لگے شریمتی ڈاکٹر اینی۔ بیسنٹ کے ساتھ لوکمان تلک اور شریمتی سروجنی نائڈو وغیرہ لیڈران کا آپ نے آنند بھون میں ایک بار استقبال بھی کیا تھا۔

انپورنا۔ پنڈت جواہر لال جی کانگریس میں کھلّم کھلا کب سے کام کرنے لگے؟

باپ۔ ویسے تو رولٹ ایکٹ کے دنوں میں پنجاب گورنمنٹ کی کالی کرتوتوں سے ہی آپ کے خیال میں گرمی آگئی تھی۔ سرکار کے رویہ اور ڈھنگوں کے بارے میں آپ اپنے والد صاحب سے بھی کبھی کبھی سخت مختلف رائے ہو جاتے تھے۔ ایک دو بار تو آپ نے سرکار کے

حکموں کو نہ مان کر سرکار کا مقابلہ کیا تھا مگر ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۱ء تک ممالک متحدہ کے کسانوں کی تحریک میں بہادر جواہر نے اپنے انوکھے جوہر دکھائے۔

شانتی۔ پنڈت جی نے کیا بہادری دکھائی؟

باپ۔ شاندار محلوں میں رہنے والے شاہزادوں سے زیادہ اچھی زندگی بسر کرنے والے جواہر لال غریب کسانوں کے دکھوں کو دیکھکر گھر سے نکل پڑے۔ اب تو غریب کسان جواہر کے اور جواہر غریب کسانوں کا ہو گیا۔ کسانوں کے ساتھ اُن کے ٹوٹے ہوئے جھونپڑوں میں جسم پر کمبل ڈالکر پڑا رہتا۔ اُنکے ساتھ ہی روکھی سوکھی روٹیاں کھاتا اور سر پر انگوچھا ڈال سردی گرمی۔ پانی کیچڑ میں ننگے پیر میلوں چلا جاتا۔ پنڈت جواہر لال جیسے سچے رہنما کو اپنے درمیان میں دیکھ کر غریب کسانوں کے جوش کا ٹھکانا نہ رہا۔ سرکار گھبرا اُٹھی۔ اودھ کے رائے بریلی کے کسانوں نے اپنے رہنماؤں کی گرفتاری پر سرکار کے برتاؤ کی مخالفت کی اور ایک جلسہ کیا۔ پنڈت جواہر لال جی کو بھی اس جلسہ میں بلایا۔ جب آپ وہاں پہونچے تو ندی کے اس کنارے آپ کو زبردستی روک دیا گیا اور اُس کنارے جلسہ کے لوگوں پر گولیاں داغ دی گئیں۔

شانتی۔ پنڈت جواہر لال جی نے کیا کیا؟

باپ۔ ستیہ گرہی تھے اسلئے دل مسوس کر رہ گئے۔ لیکن آپ نے کسانوں کو اور بھی زیادہ جوش سے کام کرنے اور ارادے پر قائم رہنے کی

خبر بھیجی۔ کسان جیسے کے تیسے بنے رہے۔ اور سرکار کو لاچار ہو کر اودھ کے کسانوں کے لئے ایک نیا قانون بنانا پڑا۔ آپ کو سب سے پہلی بار سرکار نے لکھنؤ میں ۱۹۲۱ء میں گرفتار کر کے ۶ ماہ کی سزا دی۔

شانتی۔ کیوں؟

باپ۔ کیونکہ آپ ولیعہد کے استقبال کا بائیکاٹ کر رہے تھے۔ دوسری مرتبہ آپ کو سرکار نے ۱۹۲۲ء میں ولایتی کپڑوں کا بائیکاٹ کرتے ہوئے اور دوکانوں پر ستیہ گرہ کرتے ہوئے گرفتار کیا۔ تب سے آپ کتنی ہی بار جیل جا چکے ہیں۔ سرکار نے آپ کے صبر و استقلال کا کئی بار امتحان لیا مگر آپ ہر بار کامیاب ثابت ہوئے۔

انپورنا۔ پنڈت جی نے کانگریس میں کس کس درجہ پر کام کیا؟

باپ۔ آپ نے ڈاکٹر ہارڈیکر وغیرہ کچھ دوستوں کے ساتھ ہندوستانی سیوادل قائم کیا۔ آپ کئی سال تک کانگریس کے سکریٹری رہے۔ آپ ۱۹۲۹ء میں پہلی بار لاہور کانگریس کے صدر بھی ہوئے۔ لاہور کانگریس کے موقع پر جب آپ ہاتھ میں تین رنگ کا جھنڈا لے کر سفید گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے تو ان کی والدہ روپ رانی اور پنڈت موتی لال جی ایک چھجے پر کھڑے ہو کر یہ دیکھ رہے تھے۔ سنا ہے کہ جب گھوڑا اس چھجے کے سامنے آیا تو ان کی والدہ نے اور پنڈت موتی لال جی نے روپئے اور اشرفیاں لٹائی تھیں۔

انپورنا۔ چاچا جی [illegible] دیکھ کر ماں باپ کو

بہت خوشی ہوتی ہے پھر لڑکے کیلئے تو کہنا ہی کیا ع
موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

باپ ۔ پنڈت جواہر لال جی کو ملکی خدمت کی دھن کے سوائے اور کوئی کام نہ تھا ان کے باپ پنڈت موتی لال جی کی وفات ہوئی اور انکی بیوی کملا جی کی بھی وفات ہوئی لیکن پنڈت جی نے ملکی خدمت میں ذرا بھی ڈھیل نہ آنے دی ۔ پھر ۱۹۳۶ء کی لکھنؤ کانگریس میں ملک نے آپ ہی کو صدر چُننا۔

اپنور نا ۔ سارا ہندوستان پنڈت جی کو اسقدر کیوں پیار کرتا ہے ؟

باپ ۔ پبلک یہ سمجھتی ہے کہ پنڈت جواہر لال بہت ہی بہادر ہیں انکے پنڈت معلم ہیں اور ملک میں اپنی آن بان اور عزت آبرو پر جان بھی قربان کر سکتے ہیں ۔ ہم ہندوستانی ہی کیا یورپ کے رہنے والے لوگ بھی آپ کو ہندوستان کا لینن ۔ مسولینی اور ہٹلر کہتے ہیں اور آپ جو کچھ کہتے ہیں نڈر ہو کر صاف صاف کہتے ہیں اسی لئے پبلک آپ پر قربان ہے۔

شانتی ۔ پتا جی ! پہلے تو لوگ گاندھی جی کی جے بولتے تھے لیکن اب جواہر لال کی جے بولی جاتی ہے ۔

باپ ۔ آجکل مہاتما گاندھی کے بعد پنڈت جواہر لال کا ہی نام پبلک میں پھیلا ہوا ہے ۔ گذشتہ کونسلوں کے چناؤ میں تو پنڈت جواہر لال جی نے مہینوں تک رات دن ایک کر دئے جہاں جہاں آپ گئے وہیں پبلک ان کی زیارت کیلئے اکھٹی ہو گئی ۔

شانتی ۔ پتا جی ۔ پنڈت جی اپنے فرد کچھ بھی نہیں گے کونسلوں کے چناؤ کے

بارے میں جب انھوں نے ٹاؤن ہال میں لیکچر دیا تھا تو لوگوں سے کہتے تھے۔ بھائیو!! غور سے سنو اور سمجھو!.........

اتنے بڑے آدمی اور ایسے نرم دل۔

باپ۔ سچ مچ۔ پنڈت جی بہت ہی نرم دل ہیں.......

ملک کے لئے ہر وقت قربان ہونے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اور پھر بھی کہتے ہیں اپنے ملک کی خدمت میں شہید ہونے کا مرتبہ بہت ہی کم لوگوں کو ملتا ہے۔ میری بہت خوش قسمتی ہے کہ گاندھی جی جیسے رہنما کی نگرانی میں مجھے اپنے ملک ہندوستان کی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے۔ تب ہی تو مہاتما جی آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔ بہادری اور ملکی محبت میں پنڈت جواہر لال سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔

میں نے تمھیں پہلے ہی بتلا دیا ہے کہ رہنماؤں میں چھوٹے بڑے نہیں ہوتے۔ جن لوگوں نے کسی طرح سے ملک کی خدمات کی ہیں اور جو کر رہے ہیں وہ سب شکریہ کے لائق ہیں۔ مگر ہم تمام لوگوں کی پوری داستان نہیں بتا سکتے ہیں۔ اب میں تمھیں کچھ اور رہنماؤں کا تھوڑا تھوڑا حال بتا کر اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

خان عبدالغفار خاں

آپ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے پٹھان ہیں۔ آپ گڑھ کے زمیندار ہیں

ہمارے رہنما



خان عبدالغفار خان

آپ نے پٹھان جیسی لڑاکا قوم کو نرم دل بنا دیا ہے۔ آپ سچائی۔ اہنسا اور محبت کے سچے پجاری ہیں۔ آپ کانگریس کے بہت بڑے کام کرنیوالے ہیں۔ لوگ آپ کو سرحدی صوبہ کا گاندھی کہتے ہیں۔ سرحدی صوبہ میں آپ کی بہت عزت ہے۔ نرم دلی اور سچائی کے تو آپ خود ہی اپنی مثال ہیں۔ آپ نے سرحدی صوبہ میں ملکی خدمت گاروں کی ایک جماعت بنائی ہے۔ اس جماعت کے ممبر خدائی خدمتگار کہلاتے ہیں ان کی وردی لال ہوتی ہے۔ سرکار نے آپ کو کئی سال تک ملک سے باہر نکالے رکھا۔ مگر جب آپ سرحدی صوبہ کو واپس آئے تو آپ کے استقبال کیلئے ایک میل سے بھی زیادہ لمبا جلوس نکلا۔ ملک نے آپ کو کئی مرتبہ کانگریس کا صدر بنانے کی کوشش کی۔ مگر آپ نے خود ہی انکار کر دیا اور کہا میں ملک کی آزادی کی لڑائی میں ایک معمولی سپاہی کی طرح کام کرنا چاہتا ہوں۔

وٹھل بھائی پٹیل

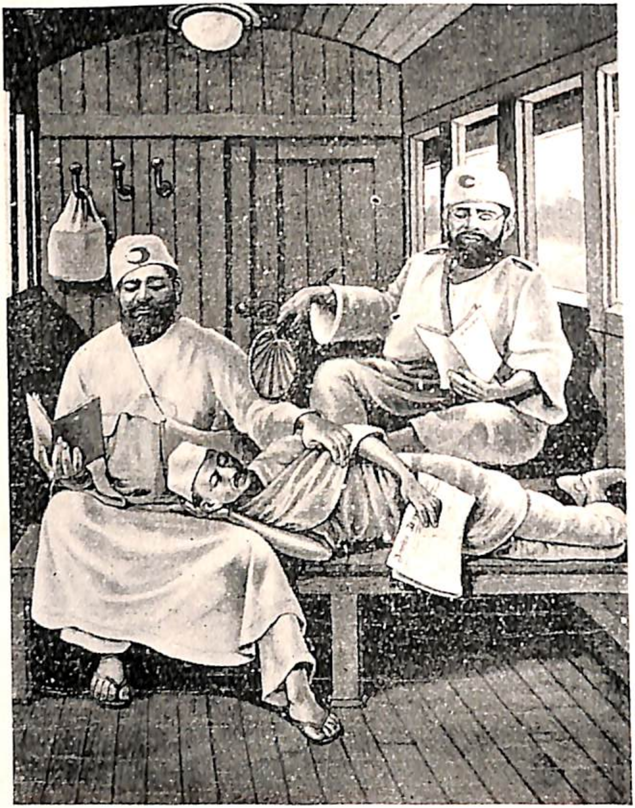
آپ سردار ولبھ بھائی پٹیل کے بڑے بھائی صاحب تھے۔ آپ ملک کے ایک مشہور بیرسٹر تھے اور قانون کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ آپ وائسرائے کی اسمبلی کے صدر رہے۔ اتنا نڈر۔ بہادر اور قابل صدر آجتک ہندوستان کی کسی اسمبلی کا نہیں ہوا۔ اسمبلی کے صدر رہے

اختیارات کے لئے آپ نے کئی مرتبہ سرکار کو نیچا دکھایا۔ ایک مرتبہ تو آپ نے ہندوستان کے کمانڈر انچیف کو بھی ڈانٹ دیا۔ آپ کے زمانہ میں اسمبلی کے کسی ممبر کو کوئی غیر قانونی حرکت کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آپ اپنی تنخواہ میں سے تھوڑا سا خرچ کرکے باقی سب روپیہ کانگریس کو دیدیتے تھے آپ نے ملک کے لئے اپنا سب کچھ دے دیا تھا۔ سنہ ۱۹۳۰ء کے ستیہ گرہ میں آپ جیل بھی گئے تھے تندرستی خراب ہونے کی وجہ سے آپ یورپ میں علاج کرانے گئے مگر آپ وہیں مر گئے۔ آپ ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں پریسیڈنٹ پٹیل کے نام سے مشہور ہیں۔

مولانا محمد علی

آپ مولانا شوکت علی کے بھائی تھے اور بہت ہی بہادر۔ نڈر اور ملکی خیر خواہ تھے۔ حالانکہ آپ کٹر مسلمان تھے تو بھی ہمیشہ ہندوستان کی آزادی کی لڑائی میں سب سے آگے رہتے تھے۔ خلافت کی لڑائی میں آپ نے مہاتما گاندھی کے ساتھ بہت کام کیا۔ سرکار کی آپ پہ ہمیشہ کڑی نظر رہتی تھی۔ اور اس لئے آپ کو کئی بار سرکار کا مہمان ہو کر جیل کا سفر کرنا پڑا۔ آپ نے لیکچروں سے اور کامریڈ اور ہمدرد اخبار نکال کر ہمیشہ ملک کی آزادی ہندو مسلمانوں کے میل کرانے کی

ھمارے رھنما



مولانا محمد علی و شوکت علی

ہمارے رہنما



دیش رتن بابو راجیندر پرشاد

کوشش کی۔ آپ نے سرکار کی بے جا کارروائیوں کی مخالفت کی۔ ملک نے آپ کو ۱۹۲۳ء میں کوکناڈا کانگریس کا صدر چنا تھا۔ ۵۲ سال کی عمر میں ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو آپ لندن میں انتقال فرما گئے۔ آپ لندن گول میز کانفرنس میں گئے ہوئے تھے آپ نے اُس کانفرنس میں اپنے لیکچر میں کہا تھا کہ اگر ہندوستان کو آزادی نہ دی گئی تو آپ کو میری قبر کا انتظام یہیں کرنا ہوگا۔ اور واقعی مولانا محمد علی اسلام اور مذہب کیلئے زندہ رہے اور مرے۔ مرنے سے پہلی رات کو بھی مولانا محمد علی نے ہندوستانیوں کے لئے یہی اپیل لکھی تھی آپس میں لڑائی جھگڑوں کو دل سے دور کر کے ملکی آزادی کے لئے آپس میں ملکر کام کرنے میں ہی ہمارا فائدہ ہے۔ آپ کے نام پر الہ آباد وغیرہ شہروں میں محمد علی پارک اور اسکول بھی ہیں۔

بابو راجیندر پرشاد

بہار کے رتن (جواہر) بابو راجیندر پرشاد ہندوستان کے مشہور رہنما ہیں۔ آپ بھگوان گوتم بدھ اور مہاراج اشوک کی پیدائش کی جگہ کے رہنے والے ہیں۔ پٹنہ ہائی کورٹ کے ایک بڑے قابل اور مشہور وکیل ہوتے ہوئے بھی آپ بڑے ہی سادے رہتے تھے لباس سے آپ معمولی دیہاتی معلوم ہوتے ہیں۔ پست قوموں کو ابھارنے

ہندی کی خدمت اور غریب کسانوں کی مصیبتوں کو دور کرنے میں آپ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ بہار کے زلزلہ میں آپ نے زلزلہ سے نقصان پہونچے ہوئے لوگوں کی مدد میں اپنا خون اور پسینہ ایک کر دیا تھا۔ ملک میں آپ راجیندر بابو اور بہار کے گاندھی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۹۳۴ء کی بمبئی کانگریس میں آپ نے کانگریس کے صدر کی جگہ لی تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد کی پیدائش ۱۸۸۸ء میں مسلمانوں کے متبرک مقام مکہ میں ہوئی تھی۔ آپ کی بچپن کی تعلیم مصر کی دارالسلطنت قاہرہ کے مشہور شہر کی یونیورسٹی جامع ازہر میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد مولانا محمد خیر الدین اپنے زمانے کے بڑے عالم اور صوفی تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد وہ مکہ شریف۔ ٹرکی۔ مصر وغیرہ ملکوں کی سیر کرنے کے لئے چلے گئے تھے جہاں سے واپس آکر آپ پہلے بمبئی میں اور پھر کلکتہ میں آکر بس گئے۔

بچپن میں ہی آپ نے ممالک غیر کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھنا شروع کر دی تھیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے خیالات تنگ نہ رہ کر آزاد ہو گئے۔ بس عقوطے ہی دنوں میں آپ نے انگریزی بھی پڑھ لی

۱۹۰۸ء سے آپ نے ملک کے کاموں میں خاص دلچسپی لینا شروع کر دی۔ آپ کے خیالات بہت ہی آزادانہ تھے۔ کٹر مسلمان ہوتے ہوئے بھی آپ ہمیشہ سرکار کی خوشامد کرنے اور ہندو مسلمان جھگڑوں میں پڑنے سے بچتے رہے ہیں۔ ملک کی آزادی اور ہندوستان کی خدمت کرنا ہی آپ کی زندگی کے خاص اصول رہے ہیں۔ اس کے لئے آپ نے سرسید احمد خاں جیسے مسلمان لیڈر اور مسلم لیگ جیسی جماعت کی مخالفت کی اور اسی کے لئے کئی مرتبہ سرکار کے ظلم سہے سرکار آپ سے بہت ہی گھبراتی ہے۔ جب سرکار ملک کو دبانا چاہتی ہے تو مسلمان لیڈروں میں سب سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد پر ہی ہاتھ صاف کرتی ہے۔ اسی لئے ہمیشہ ہی آپ کا ایک پیر جیل کے اندر اور ایک باہر رہتا ہے۔

ادھر ملک کے رہنما جب کوئی معاملہ طے کرتے ہیں تو مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے لئے بغیر طے نہیں کرتے۔ ملک کے کاموں میں آپکی رائے خاص مانی جاتی ہے۔ ۱۹۲۳ء کی دہلی کی اسپشل کانگریس کا ملک نے آپ کو ہی صدر چنا تھا۔ درحقیقت ہمارے ملک کو مولانا آزاد جیسے آزاد خیال لوگوں کی خاص کر اس وقت بڑی ضرورت ہے پرماتما آپ کی عمر دراز کرے۔

پنڈت گوبند بلبھ پنتھ

پنڈت گوبند بلبھ پنتھ اسوقت ممالک متحدہ کے آپ وزیر اعظم ہیں۔ آپ کی پیدایش قریب قریب ۵۰ سال ہوئے ممالک متحدہ کے الموڑہ ضلع میں ہوئی تھی۔ آپ کی عقل بچپن ہی سے بہت تیز تھی۔ آپ ال ال۔ بی کے امتحان میں اول آئے تھے۔ آپ نے نینی تال ضلع کے کاشی پور قصبہ میں وکالت شروع کی اور تھوڑے ہی دنوں میں وہاں کے مشہور وکیل ہوگئے۔ سنہ ۱۹۲۱ء کی تحریک ترک موالات میں آپ نے بڑا کام کیا۔ پھر سوراج پارٹی کی طرف سے آپ ممالک متحدہ کی کونسل میں چنے گئے اور وہاں پارٹی کے لیڈر رہے۔ آپ کی ملکی خیر خواہی اور لیاقت وقابلیت کا پبلک اور سرکار دونوں پر سکہ رہا ہے۔ اس کے بعد آپ وائسرائے کی اسمبلی میں چنے گئے۔ وہاں آپ نے بڑی قابلیت سے کام کیا۔ آپ کی قابلیت کی وجہ سے کانگریس نے آپ کو یو۔ پی اسمبلی کا لیڈر بنانے کے لئے یو۔ پی اسمبلی میں بھیجا۔ گذشتہ کونسلوں کے چناؤ میں آپ کانگریس پارلیمنٹری بورڈ کے صدر بھی تھے۔ آپ ملک کے ایک بہت ہی قابل اور دور اندیش وخیر اندیش رہنما ہیں۔ کانگریس کے وزرا میں جہاں ایک طرف مدراس کے گاندھی راج گوپال اچاریہ پر نظر جاتی ہے وہاں دوسری طرف آپ پر بھی نظر پڑتی ہے۔

ہمارے رہنما



پنڈت گوبند بلبھ پنت

سوبھاش چندر بوس

آپ بنگال کے نوجوان رہنما ہیں۔ پنڈت جواہر لال جی نہرو کی طرح آپ بھی ملک کی آزادی پر مرجانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ملک میں آپ کی بہت عزت ہے اور سرکار بھی ہمیشہ آپ کی تلاش میں رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کئی بار جیلوں میں سرکار کے مہمان رہے ہیں جیلوں میں رہتے رہتے آپ کی تندرستی بھی خراب ہو گئی مگر آپ اس حالت میں بھی سرکار سے نہیں دبے۔ ملک نے آپ کو ایک رائے ہو کر اس سال کے ہری پور کانگریس کا صدر چنا ہے بس۔ اب میں اس مضمون کو یہیں ختم کرنا چاہتا ہوں۔

شانتی۔ پتاجی۔ ایک بات اور بتلا دیجئے کیونکہ وہ ہماری سمجھ میں ابھی تک نہیں آئی۔

باپ۔ وہ کیا؟

شانتی۔ کانگریس کیا چیز ہے اور ہمیں اس کی بات کیوں ماننی چاہیئے؟

باپ۔ کانگریس ہمارے ہندوستان کے ملک کے قربان ہونے والوں کی ایک طاقتور جماعت ہے کیونکہ کانگریس ہمارے ملک کی بھلائی کا کام کرتی ہے۔ اس لئے ہندوستان کی بھلائی چاہنے والے ہر ایک عورت و مرد کو کانگریس کا ساتھ دینا چاہیئے

شانتی۔ میں تو سمجھتی تھی کہ مہاتما جی پنڈت جواہر لال نہرو، سردار پٹیل وغیرہ رہنما ہی کانگریس ہیں۔

باپ۔ یہ لوگ کانگریس تو نہیں مگر ہاں کانگریس ان کی ہے اور یہ کانگریس کے ہیں۔ یہ لوگ کانگریس کی باتوں کو ملک کی بھلائی کرنے والی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ہر ایک قسم کی قربانی کرکے ان اچھی باتوں کو پبلک میں ظاہر کرتے ہیں۔ انھیں کانگریس جان سے پیاری ہے۔ اور کیونکہ یہ لوگ دل و جان سے ملک کی خدمت کرتے ہیں اس لئے کانگریس کی باتیں ماننے والے لوگ ان لوگوں کو اپنا سردار مانتے ہیں اور ان کی بتلائی ہوئی باتوں پہ چلتے ہیں۔ اگر یہ لوگ کانگریس کی باتیں نہ مانیں تو کانگریس والے ان کی بھی بات نہ مانیں اور یہ کانگریس کے ایک بھی رہنما نہ رہیں گے

انپورنا۔ تو کانگریس والے مہاتما گاندھی کو بھی کانگریس سے نکال سکتے ہیں؟

باپ۔ اگر مہاتما گاندھی کانگریس کی بات نہ مانیں تو کانگریس والے مہاتما گاندھی کی بتائی ہوئی باتوں پر بھی نہ چلیں گے لیکن کانگریس کی بتلائی ہوئی بات پر چلیں گے۔

انپورنا۔ کانگریس اپنی باتیں کب طے کرتی ہے؟

باپ۔ سال میں ایک بار ہندوستان کے کسی ایک مقام پہ

کانگریس کی مجلس منعقد ہو جاتی ہے۔ اس مجلس میں ہندوستان کے ہر ایک مقام کے کانگریس کے ممبر اس میں شامل ہونے کے لئے اپنے اپنے نمائندے بھیجتے ہیں۔ یہی نمائندے آئندہ سال کے لئے کانگریس کا کام طے کرتے ہیں۔

انپورنا۔ اس مجلس کا صدر کون ہوتا ہے؟

باپ۔ ملک کے ہر صوبہ کی کانگریس کمیٹیاں جن جن آدمیوں کو کانگریس کا صدر ہونے کے لائق سمجھتی ہیں۔ اُن کے نام کانگریس کے دفتر میں بھیج دیتی ہیں۔ یہ نام کانگریس کے منتظم ممبروں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس میں جس آدمی کے حق میں سب سے زیادہ رائے ہوتی ہیں وہ ہی اُس سال کی کانگریس کا صدر چُن لیا جاتا ہے۔

انپورنا۔ تو یہ کہئے کہ کانگریس کا صدر سارے ملک کی رائے سے چُنا جاتا ہے۔

باپ۔ ہاں کانگریس کا صدر چُنا جانا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ بڑی سے بڑی عزت جو ملک کسی آدمی کو دے سکتا ہے کانگریس کے صدر کا درجہ ہے۔ کانگریس کا صدر پبلک کے دلوں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ تب ہی تو لوگ اُس کے استقبال میں جلوس نکالتے ہیں اور اُس کی جے کے نعروں کی گونج آسمان تک پہونچتی ہے۔ اسکے دیکھنے کے لئے میلوں سے پیدل

دوڑتے آتے ہیں اور اُس کے کہنے پر قربان ہونے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

شانتی۔ تو سال بھر تک کانگریس کا صدر ہی سب کام کرتا ہے؟

باپ۔ اکیلا نہیں۔ بلکہ یہ رہنماؤں میں سے کچھ لوگوں کو چُن کر ایک ورکنگ کمیٹی بنا لیتا ہے۔ اس کمیٹی کے جلسے حسب ضرورت ملک کی باتوں کے بارے میں ہوتے رہتے ہیں۔ اس جلسہ کا فیصلہ ہی سب کو ماننا پڑتا ہے مگر کوئی بہت ہی بھاری معاملہ آجاوے تو کانگریس کا خاص جلسہ کیا جاتا ہے جیسا اگست ۱۹۲۱ء میں ستیہ گرہ پر غور کرنے کے لئے کلکتہ میں کیا گیا تھا۔

شانتی۔ کانگریس کے ممبر کون لوگ ہو سکتے ہیں؟

باپ۔ جو کانگریس کو سال میں چار آنے چندہ دیں اور امن پسندی کے ساتھ ملک کو آزاد کرنے کا وعدہ کریں اس کے علاوہ کھدر پہنیں اور کانگریس کی طے کی ہوئی باتوں کو ماننا بھی اپنا فرض سمجھیں۔

شانتی۔ کانگریس ملک کی بھلائی کے کیا کیا کام کرتی ہے؟

باپ۔ ہر ایک کام۔ یہ ہمیشہ ملک کے مزدوروں

کسانوں وغیرہ غریب لوگوں کی مدد کرنے کی مکمل کوشش کرتی ہے۔ لوگوں کے ٹیکس کم کرواتی ہے۔ قحط وغیرہ کے موقعوں پر غریبوں کی مدد کرتی ہے اور اُن میں اچھی اچھی باتیں جیسے شراب نہ پینا۔ کھدر پہننا۔ ملک سے محبت کرنا وغیرہ کو لوگوں کے دلوں میں جگہ دیتی ہے۔ جہاں کانگریس وزارت ہے۔ وہاں لوگوں کے اندر سے شراب اُٹھا دینے، کسانوں کا لگان کم کرنے، مزدوروں کی مزدوری بڑھانے اور دیسی کاریگروں کی ترقی کرنے میں کانگریس پوری کوشش کر رہی ہے۔ کانگریس سرکار کی وجہ سے بیگار۔ رشوت خوری بہت کچھ اُٹھ گئی ہے اور گاؤں کی اصلاح کا کام بھی بہت زیادہ سرگرمی سے ہونے لگا ہے۔

انپورنا۔ پتا جی۔ تب ہی تو گاؤں والے غریب لوگ کانگریس کو اسقدر محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ گزشتہ کونسلوں کے چناؤ میں بڑے بڑے تعلقدار اور سیٹھ ساہوکاروں نے کونسلوں کا ممبر بننے کے لئے ہزاروں اور لاکھوں روپیہ خرچ کیا مگر فتح کانگریس ہی کو ہوئی۔

باپ۔ بیٹی! کانگریس کو تو گاؤں والے ہی کیا سب ہی ایماندار آدمی اچھا سمجھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کانگریس ہمیشہ اچھی ہی باتیں سکھاتی رہی ہے۔ اصل میں وہ لوگ ہی کانگریس کو بُرا

خیال کرتے ہیں جن میں نفس کشی کی طاقت نہیں اور خود غرضی میں اسقدر پھنس گئے ہیں کہ انصاف کا خون کرنے میں بھی نہیں چوکتے ہیں۔

شانتی۔ پتاجی! اگر آدمی خود کوئی اچھا کام نہ کر سکے تو اچھا کام کرنے والوں کے راستے میں روڑے تو نہ اٹکائے۔

باپ۔ بیٹی! افسوس تو یہی ہے کہ لوگ خود کام نہیں کرتے اور کام کرنے والوں کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں تس پر بھی رہنما اور لیڈر بننے کی خواہش دل میں لگی ہوئی ہے۔ مجھے تو کانگریس سے بہت محبت اور سہارا ہے۔ اس نے ملک کی بہت بھلائی کی ہے اور اس کے تمام لیڈروں کی قربانیاں ہی بہت ہی بزرگ اور پایۂ تکمیل کو پہونچی ہوئی ہیں۔ نمستے۔

اپورنا و شانتی۔ پتاجی! نمستے۔

تمام شد

۱۳؍اپریل ۱۹۳۹ء